جملہ حقوق محفوظ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

سلسلۂ دار المصنفین اعظم گڈھ

(نمبر ۱۵۴)

بہادر خواتین اسلام

خواتین اسلام کے بہادرانہ کارناموں کا دلآویز مرقع جس میں بہادر خواتین اسلام کے ولولہ انگیز کارنامے نہایت موثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں، شروع میں ۴۰ صفحہ کا ایک دیباچہ ہے، جس میں فاضل مصنف کی تحریروں کی روشنی میں اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان پر تفصیل کیساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

از

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

در مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ طبع گردید

طبع چہارم ۱۹۶۰ء کتبہ سید اقبال احمد

Price Rs, 15/-

Danish Mahal
Book Sellers
Aminuddaula Park
LUCKNOW

فہرست مضامین

بہادر خواتینِ اسلام

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ		تمدنی اور دینی مسائل سے دلچسپی،	
از سید صباح الدین عبد الرحمٰن	۱ - ۴۰	ان کے لیے مستقل فکر،	۲
فراغت تعلیم کے بعد مولانا سید سلیمان ندویؒ کا پہلا کارنامہ	۱	شوہر سے خلع کے لیے ایک عورت کا استفسار،	۲
مضمون "بہادر خواتینِ اسلام"	"	وقت کے علماء کے جوابات،	"
دار المصنفین سے کتابی صورت میں اس کی اشاعت،	"	اس سلسلہ میں سید صاحبؒ کا محاکمہ	"
		نان نفقہ کے سلسلے میں امام ابن	۳
اس کا دیباچہ نگار کے قلم سے انگریزی میں ترجمہ،	"	تیمیہ و امام ابن قیم کے مسلک کی ترجیح،	
		قرآن سے استدلالات،	۴
اسلامک ریویو لندن میں اس کی اشاعت	"	منٹو مارلے اور مانٹیگو ریفارم کے	۷
لاہور سے "ہیرویک ڈیڈس آف مسلم ویمن"	"	سلسلہ میں علماء کی بیداری،	
کے نام سے اس ترجمہ کی کتابی صورت میں اشاعت،		فرنگی محل میں ان کا اجتماع،	۷
		معارف میں مسلمانان ہند کی تنظیم	۸
آغاز عمر ہی سے مسلمان عورتوں کی معاشرتی،	"	مذہبی بہ تقریب اجتماع فرنگی محل کے	

مضمون	صفحہ
عنوان سے سید صاحبؒ کا مضمون برطانوی عدالتوں میں خالص شرعی مقدمات لے جانے سے سید صاحبؒ کا اختلاف	٨
ان کے لیے الگ شرعی عدالتوں کے قیام کی تجویز،	٩
سیرت عائشہؓ کی تصنیف،	١٠
سول میرج کمیٹی اور سید صاحبؒ،	١٣
اس سلسلہ میں سید صاحبؒ کی رپورٹ،	١٣
راشد الخیری کے قلم سے اخبارات میں مسلمان عورتوں کے ارتداد اور خلع پر ایک مضمون،	١٧
سید صاحبؒ کا معارف اگست سنہ ۱۸ء کے شذرات میں اس پر اظہار خیال،	"
مولانا عبد الرحمٰن نگرامی ندویؒ کے ایک مضمون "خواتینِ اسلامؓ" کی معارف میں دو قسطوں میں اشاعت	١٨

مضمون	صفحہ
معارف جولائی سنہ ۴۲ء کے شذرات	٢٠
مسلمان عورتوں کے حقوق کے عنوان سے معارف کی چھ اشاعتوں میں سید صاحبؒ کا عالمانہ، محدثانہ اور فقیہانہ مضمون،	٢١
شارداایکٹ اور سید صاحبؒ	٢٣
کسی غیر اسلامی حکومت کو مسلمانوں کے نکاح وطلاق کے سلسلہ میں قانون بنانے کا حق نہیں،	٢٤
والیۂ بھوپال سلطان جہاں بیگم کی وفات پر سید صاحبؒ کے تاثرات،	٢٦
مسلمان عورتوں کی ازدواجی زندگی پر سید صاحبؒ کا معارف کے شذرات اور مضامین میں بار بار اظہار خیال، اس کے لیے بہت سی تجاویز،	٢٧
تحفظ حقوق زوجین، اور	٢٧

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
علمائے بھوپال		جنگِ قادسیہ اور خواتین اسلام	۷
پورے ہندوستان میں اس کے اطلاق	۲۷	جنگِ قادسیہ اور ایک بوڑھی خاتون	۸
کی آرزو اور سفارش،		جنگِ قادسیہ اور مشہور شاعرہ خنساء	۸
مفقود الخبر شوہر کا ضابطۂ قانون،	۲۸	جنگ بویب اور خواتین	۱۰
حقوق الزوجین،	۳۱	جنگ میسان اور ازدہ بنت حارثؓ	۱۱
اسلام میں ماں کا رتبہ	۳۶	جنگ اجنادین اور خولہ بنت ازور	۱۲
دیباچہ نگار کے انگریزی ترجمہ پر سید	۳۹	دوسری خواتین	
غلام السیدین کا اظہار خیال،	"	جنگ یرموک اور خواتین	۱۳
بہادر خواتینِ اسلام میں خواتین کربلا	"	جنگِ جمل اور حضرت عائشہؓ	۱۵
کے ذکر کی پیش کش،		فتوحاتِ شام اور خواتین اسلام	"
(متن کتاب)		جنگ صفین اور خواتین	۱۶
قبل اسلام معرکہ ہائے جنگ	۲	عہد ولید بن عبدالملک میں بخارا	۱۷
عمرو بن کلثوم کا فخریہ قصیدہ	۳	پر فوج کشی اور خواتین	
حضرت عائشہؓ غزوۂ احد میں	"	شبیب خارجی کی بیوی،	"
جنگ خیبر اور خواتین اسلام،	"	غزالہ اور شام کی اموی فوج	۱۹
ام عمارہؓ اور بیعت عقبہ،	۶	عہد ہارون رشید میں فارعہ خارجہ	۲۰
ام عمارہؓ اور بیعت رضوان	"	کی بہادری،	
ام عمارہؓ اور جنگ یمامہ،	"	صلیبی جنگ اور بہادر خواتین اسلام	۲۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رضیہ سلطانہ،	۲۲	نظام شاہی خاندان کی چاند خاتون	۳۰
قلعہ جاور پر فوجکشی اور علاء الدین خلجی کی لونڈی گل بہشت،	۲۳	ملکۂ یمن اسماء،	۳۵
تیموری خواتین	۲۴	یمن کی ملکۂ سیدہ،	۳۶
نور جہاں	۲۵	اسلام کی راہ میں صحابیاتؓ کی پامردی	״
عادل شاہی لشکر اور حمیدہ بیگم	۲۷	حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ،	۳۸
عادل شاہی خاندان کی پونچی خاتون	۲۸	غرناطہ کے آخری سلطان کی ماں عائشہ	۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مشہور رسالہ الندوہ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء میں "مسلمان عورتوں کی بہادری" کے عنوان سے ایک مضمون کا سلسلہ شروع کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔ دارالمصنفین کے قیام کے بعد اس کو ایک علحدہ رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا تو اس کے کئی اڈیشن نکلے۔ راقم نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا تو پہلے یہ لندن کے اسلامک ریویو میں شائع ہوا، پھر اس کو شیخ محمد اشرف ناشر و تاجر کتب لاہور نے اپنے یہاں سے "ہیروائک ڈیڈس آف مسلم وی من" کے نام سے شائع کیا تو اس کے اب تک تقریباً دس اڈیشن نکل چکے ہیں، اردو میں اس مقبول رسالہ کا نیا اڈیشن دارالمصنفین سے پھر شائع ہو رہا ہے۔ اس کو لکھے ہوئے تقریباً ۸۰ سال گذر چکے ہیں، مگر اس کی خوبی یہ ہے کہ موجودہ دور کے ناظرین کو بھی کہنگی کے بجائے تازگی محسوس ہوگی، سید صاحب ؒ نے یہ الندوہ میں اس وقت لکھا جب ان کی عمر چوبیس پچیس برس کی ہوگی۔ اس کمسنی میں بھی مسلمان عورتوں سے متعلق ان کا طرز فکر یہ تھا کہ اسلام میں عورتوں کا جو رتبہ ہے اس لحاظ سے وہ جامد اور غیر متحرک ہونے کے بجائے سرگرم اور متحرک ہو سکتی ہیں، اسلام کی تاریخ میں مسلمان عورتوں نے جو شاندار

کارنامے اپنی بہادری کے انجام دیئے ہیں، اس سے تو وہ خوش ضرور رہے لیکن اس کے ساتھ ہندوستان میں اپنے ارد گرد مسلمان عورتوں کی بے کسی اور ازدواجی زندگی میں جو مسائل پیش آتے رہتے تھے ان سے آزردہ اور کبیدہ خاطر بھی تھے، اس لیے ان کے حقوق اور رتبہ کو واضح اور متعین کرنے کی فکر میں برابر لگے رہے، خصوصاً ان کے نکاح وطلاق کے سلسلہ میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آیا تو اس کی وضاحت پورے عالمانہ شان سے کی، ۱۹۱۶ء میں پنجاب کی ایک مسلمان عورت نے اپنے شوہر کے مظالم اور عدم ادائگی نفقہ سے تنگ آکر اس سے چھٹکارا کے لیے علما سے استفتا کیا تو مفتی عبداللہ ٹونکی نے حنفی مسلک کے مطابق اس کو یہ جواب دیا کہ اسلام میں اس کے لیے کوئی نص نہیں ہے، اس پر آریہ سماج کے اخباروں نے اسلام کی تنگ دلی کا طعنہ دیا، اس کو پڑھ کر مولانا ابوالکلام آزاد نے بعض فقہائے تابعین اور ائمۂ فقہ کے مسلک کے مطابق مولانا ٹونکی کے فتوے کی تردید کی اور لکھا کہ تین ماہ کے انتظار کے بعد بھی اگر شوہر اپنی بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہ کرے اور بیوی مطالبہ کرے تو قاضی زوجین میں تفریق کراسکتا ہے، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری صاحب اصح السیر نے مولانا ابوالکلام آزاد کے فتوی کی تغلیط کی اور کلکتہ کے اخبارات میں ایک مفصل مضمون اس کے جواب میں لکھا، (یادرفتگاں مطبوعہ معارف پریس ص ۲۱۹) سید صاحب نے اکتوبر و نومبر ۱۹۱۶ء کے معارف میں کشف حقیقت، مسئلۂ زوجہ غیر منفق علیہا کے عنوان سے ایک طویل مضمون کی دو قسطوں میں ان تینوں صاحبوں کے فتووں پر ایک محاکمہ کرکے یہ ظاہر کیا کہ نہ تو مولانا ابوالکلام آزاد کا اور نہ مولانا عبدالرؤف کا فتوی مطلقاً صحیح ہے بلکہ یہ الگ مختلف حالات سے مختص ہیں، اور پھر ایک طویل بحث کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عورت نے کسی مرد سے اس کی تنگدستی اور غربت جان کر نکاح کیا تو اس کا حکم اس غربت کی حالت میں اس بیوی کا حکم ہے جو کسی صاحب دولت سے نکاح کرے یا ایک شوہر دولت مند ہو اور پھر غریب ہو جائے تو بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ایک آدمی غریب ہونے کے بعد دولت مند اور وہ دولت مند ہونے کے بعد غریب ہو جایا کرتا ہے، لیکن اگر کسی عورت نے ایک مرد کے لباس و پوشاک یا اس کی ظاہری حالت سے سمجھا کہ وہ صاحب استطاعت ہے اور اس کا افلاس و فقر اس سے مخفی رہا اور بیاہ کے بعد اصل حقیقت کا انکشاف ہوا تو اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے کہ یہ فریب و خدع ارادی یا اتفاقی کی ایک صورت تھی،

امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم بھی اسی مسلک کے ہیں کہ اگر کسی عورت نے کسی مرد سے یہ سمجھ کر نکاح کیا کہ وہ دولتمند ہے پھر اس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ تہی دست ہے اس کے پاس کچھ نہیں یا وہ دولت مند ہے لیکن اس کے مال سے خود یا حاکم کے ذریعہ سے بقدر کفالت لے لینے پر قادر نہیں تو اس کو فسخ نکاح کا حق ہوگا، اور اگر جان کر کسی مرد سے نکاح کیا کہ وہ مفلس ہے یا وہ دولت مند تھا مگر کسی اتفاقی حادثہ کے سبب اس کا مال ضائع ہو گیا تو بیوی کو فسخ کا حق نہیں اور یہ اکثر پیش آتا ہے کہ دولت کے بعد فقر نصیب ہوا ہے (معارف نومبر ۱۹۱۶ء ص ۲۲-۲۳)

سید صاحب امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم ہی کے مسلک کے قائل تھے، ان کے خیال میں محض اس بنا پر کہ شوہر نان نفقہ نہیں دیتا ہے بیوی فسخ نکاح کی دعویدار نہیں ہو سکتی ہے، یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ کیوں نان نفقہ دینے سے مجبور رہتا ہے تب ہی عورت کا دعویٰ قابل غور ہو سکتا ہے، اپنے اس مضمون میں سید صاحب نے

اسلام میں ازدواجی زندگی کی جو حقیقت ہے اس کی وضاحت بھی بڑی خوبی سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات کی رو سے ازدواجی زندگی سے مودت اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے، قرآن پاک کی سورہ روم میں ہے کہ

اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا	تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں
لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً	ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تم دونوں
وَّرَحْمَةً (روم ۳)	کے درمیان مہر و محبت قائم ہو،

ازدواج کا اس سے زیادہ ضروری مقصد عالم فنا و موت میں اپنے بعد ایک صالح یادگار کا ابقا اور ایک سعید انسانی جماعت کی تشکیل ہے، اسلام نے نیک بندوں کی یہ شناخت قرآن مجید کے ذریعہ سے بتائی ہے

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا	اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خداوندا ہماری
مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ	بیویوں اور اولاد سے ہم کو آنکھ کی ٹھنڈک
اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا	عطا کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا رہنما بنا،

(فرقان-۶)

اس بنا پر اس بات کی ضرورت ہے کہ ازدواجی معاشرت کو تمام ممکن طریقے سے خوشگوار بنایا جائے کہ یہ باغ وبہار بن کر رہے، اور خزاں کی ویرانی کے صدموں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے، اسی لیے یہ الٰہی فرمان ہے کہ

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	بیویوں کے ساتھ لطف و خوبی سے زندگی
(نساء-۳)	گذارو،

انسانی قانون کا بے پایاں دفتر، حقوق کی جو کچھ تفصیل بیان کرے، مگر وہ سب قرآن کی

کے ان دو جملوں کے اندر رہی ہے کہ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ	عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح
بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۲۲۸)	ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔

سورۂ طلاق میں ہے

وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا	اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو
عَلَيْهِنَّ (طلاق ۶)	تکلیف نہ پہونچاؤ،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ثابت ہو، (صحاح) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کسی کی دو بیویاں ہیں اور وہ دونوں میں صرف ایک کو چاہتا ہے دوسری کو نہیں تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہو گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو اعلان فرمایا تھا اس کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ عورتوں کے بارہ میں خدا سے ڈرو، پھر اگر دنیا میں کوئی بدبخت انسان ایسا ہے جو بیوی کی اطاعت مندی اور نیک سرشتی کے باوجود فرمان الٰہی کو فراموش کرنے میں بے باک ہے اور اس نے یکسر اپنے فرائض زوجیت کو دل سے بھلا دیا ہے اور عملاً ہر قسم کے ادائے حقوق سے قاصر ہے، اس کے باوجود آمادۂ طلاق نہیں تو اس اجتماع بشری کی سخت ترین بیماری کے لیے کیا علاج قرار دیتا ہے، اس سوال کا جواب قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں تلاش کرنا چاہیے۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا	اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے
نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا	عدم ادائے حقوق یا اعراض کا ڈر ہو تو

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء ع ۱۹)

اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی مصالحت کرلیں اور صلح ہر حال میں بہتر ہے

صلح کی یہی صورت ہے کہ بیوی اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو جائے اور شوہر اس شرط کے ساتھ اپنی قید نکاح میں رکھنا قبول کرے۔ لیکن اگر بیوی صبر کی زیادہ متحمل نہیں ہو سکتی اور اس مصیبت کو آئندہ گوارا نہیں کر سکتی تو پھر متفقہ حکم یہ ہے کہ شوہر کو دو باتوں میں سے ایک بات قطعاً کرنی ہوگی یا بیوی سے معاشرتی حسن سلوک رکھے یا بیوی کو طلاق دے کر علاحدہ کر دے۔ یہ احکام، آیات ذیل پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مستنبط ہو سکتے ہیں جن میں یہ ہے کہ

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا
نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ
خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ
وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا، وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا
اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ
فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا
كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَاِنْ
يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کے عدم ادائے
حقوق یا اعراض کا ڈر ہو تو اس میں مضائقہ
نہیں کہ باہم صلح کرلیں، صلح ہر حال میں بہتر
ہے، بخل جو اس ناراضی کا سبب ہو، وہ
دلوں میں رکھا ہی گیا ہے، اگر تم نیکی اور
پرہیزگاری سے کام لو تو خدا تمہارے کاموں
سے واقف ہے، تم اپنی بیویوں کے درمیان
عدل کی پوری خواہش کے باوجود عدل تام
نہیں رکھ سکتے تو ایسا نہ ہو کہ ایک ہی طرف بالکل
جھک پڑو اور دوسری کو معلقہ کی طرح چھوڑ
رکھو، اگر صلح کر لو اور پرہیزگاری اختیار کرو

اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا (نساء ۱۹)

تو خدا غفور رحیم ہے اور تمہاری زیادتیوں کو خواہ وہ کسی جانب سے ہوں معاف کردیگا، اور اگر دونوں علیحدہ ہو جاؤ تو دونوں کو اپنی قدرت سے مالا مال کر دے گا، خدا بڑا قدرت والا اور دانا ہے۔

(معارف اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء ص ۱۱-۸)

ان عورتوں کو ان کے حقوق کسی اسلامی حکومت میں تو آسانی سے دلائے جاسکتے تھے، مگر جب یہاں انگریزوں کی غیر ملکی حکومت قائم تھی تو سوال یہ تھا کہ اس میں ان کو اپنے حقوق کیسے مل سکتے تھے، سید صاحب نے اس کے حصول کے لیے معارف میں اور اپنی کتابوں میں برابر موثر تحریریں لکھتے رہے جیسا کہ آئندہ اوراق سے ظاہر ہوگا،

ان کی ابتدائی زندگی ہی سے ہندوستان میں انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کے لیے آزادی کی جنگ شروع ہو گئی تھی، منٹو مارلے اور مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم کے ذریعہ کچھ سیاسی رعایتیں دی گئی تھیں، جو دستوری جنگ لڑنا چاہتے تھے وہ ان ہی سیاسی اصلاحات پر قناعت کر لینا چاہتے تھے، ان سیاسی سرگرمیوں میں معاشرتی اصلاحات کی زیادہ فکر نہیں تھی، سنہ ۱۹۱۶ء میں مانٹیگو وزیر ہند، انگلستان سے ریفارم اسکیم لے کر آئے تو ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے لوگ وفد اور جماعت بنا کر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو برطانوی دربار میں پیش کرنے لگے، اس ملک کے علماء میں بھی بیداری ہو گئی تھی، بدلتے ہوئے حالات میں وہ مسلمانوں کے لیے بھی معزز مقام پیدا کرنے کے خواہاں تھے، اس کے لیے فرنگی محل لکھنؤ میں ان کا اجتماع ہوا، اس وقت وہ اس

نتیجہ پر پہونچے کہ سیاسی اصلاحات کا مطالبہ تو اپنی جگہ پر صحیح ہے، لیکن ان سیاسی اصلاحات کے اندر مسلمانوں کے ملی وجود کو باقی رکھنے کے لیے کیا صورت ہو، ان کو خیال ہوا کہ ان کا شرعی نظام بھی سیاسی اصلاحات کے ساتھ قائم ہو جائے تو وہ اس ملک میں مطمئن رہ سکتے ہیں، حضرت سید صاحبؒ بھی اسی خیال کے تھے، چنانچہ نومبر ۱۹۱۷ء کے معارف میں "مسلمانانِ ہند کی تنظیم مذہبی بہ تقریبِ اجتماعِ فرنگی محل" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، اور اس میں زور دیا کہ برطانوی حکومت سے اگر علماء کے مانگنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی تنظیم مذہبی کا شیرازہ مانگیں، اور اس کے لیے یہ دلائل دیئے کہ اختلاط اور جامعیت جو فلسفہ اور مذاہب کے رو سے عیب ہو یا ہنر ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے داعی اولؐ نے یروشلم کے واعظ حضرت عیسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہا کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو، اس کے نزدیک قیصر کا حکم، خدا کے حکم کے سوا کچھ اور نہیں ہونا چاہیے، اس مضمون میں یہ بھی لکھا کہ اسلام کے آئین و قوانین مذہبی میں حاکمانہ مقتدرانہ روح موجود ہے، وہ صرف نظری نہیں بلکہ عملی مذہب ہے، اس کے احکام صرف واعظانہ نہیں ہیں بلکہ یہ نافذانہ اختیارات رکھتے ہیں، زندگی کے بہت سے لوازم اور ضروریات دوسرے مذاہب میں متروک یا غیر ضروری سمجھے گئے ہیں لیکن وہ اسلام کے نزدیک فرض و واجب ہیں، اس سلسلہ میں تعزیرات حدود، قربانی، انتظامات حج، مساجد، مدارس اور دوسرے مذہبی فرائض کی تنظیم پر زور دینے کے ساتھ عورتوں کے نکاح، طلاق، وراثت، تفریق بین الزوجین، فسخ نکاح کے مسائل کی طرف خصوصی توجہ دلائی کہ ان کی تنظیم و ترتیب کی بڑی حاجت ہے، اور پھر بڑی دلسوزی کے ساتھ لکھا کہ طلاق، نکاح، فسخ نکاح اور تفریق کے

ہزاروں معاملات دن رات پیش آتے رہتے ہیں، تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے ان کا کوئی اپنا انتظام نہیں، اس لیے گورنمنٹ کی سول عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی تکلیف گوارا کرنی پڑتی ہے، جس میں ایک طرف تو عدالتوں کی اصول اسلامی سے ناواقفیت کی بنا پر غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کو ان کے مذہبی احکام میں غیر مسلم عدالتوں کی مداخلت سے آزردگی اور ناگواری پیدا ہوتی ہے اور اکثر علماء کے نزدیک ان معاملات میں غیر مسلم عدالتوں کا فیصلہ قبول کرنا ناجائز ہوتا ہے، سید صاحبؒ کو دکھ تھا کہ مقلد، غیر مقلد، حنفی اور شافعی کے مقدمات مسٹر جیمس یا مسٹر گھوش یا مسٹر ہرنام سنگھ کے یہاں پیش ہوتے ہیں، اور قرآن، کتب احادیث، فتاوی اور فقہ کا ڈھیر ان کے بوٹ کی جگہ پر رہتا ہے، اس لیے ان کی یہ تجویز تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی امور کے لیے حکومت کے ماتحت ایک علحدہ صیغہ ہو اور اس کا سربراہ ایک شیخ الاسلام ہو، اور اس کے لیے یہ دلائل دیئے کہ (۱) مسلمانوں میں مذہباً اور قانوناً یہ صیغہ اور عہدہ برابر قائم رہا (۲) ہندوستان کے گذشتہ عہد میں بھی یہ صیغہ قائم تھا (۳) تمام بلاد اسلامیہ میں جہاں مسلمان آباد ہیں اور جو یورپین طاقتوں یا امریکہ کے ماتحت ہیں وہاں بھی یہ صیغہ خود سرکاری انتظام و اعانت سے موجود ہے (۴) خود ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں اس قسم کے انتظامات ہیں (۵) حکومت برطانیہ کے آغاز عہد میں اس قسم کے انتظامات ملک میں رائج تھے لیکن رفتہ رفتہ ختم کر دیئے گیے، سید صاحب کی یہ آواز، تاہم اور جابر برطانوی حکومت نے نہیں سنی، لیکن وہ اس مایوسی کے باوجود، مسلمان عورتوں کا رتبہ اور ان کے حقوق کو متعین

کرنے میں بڑے سرگرم رہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی مشہور تصنیف سیرۃ عائشہ رضؓ شائع ہوئی تو اس میں اسلام میں عورتوں کا رتبہ اس طرح متعین کیا:

"عورت کے متعلق مشرق و مغرب کا مذاق باہم نہایت مختلف ہے، مشرق میں عورت کی محبت، دامن تقدس کا داغ ہے؛ وہ ایوانِ عیش کی شمع دل افروز ہے، جس کی روشنی عزلت نشینانِ حریم قدس کے تنگ حجروں کو اور بھی تاریک کر دیتی ہے، دوسری طرف محبت کیش مغرب اس کو خدا سمجھتا ہے یا خدا کے برابر جانتا ہے اور کہتا ہے کہ جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے معقول ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کا کیا درجہ قائم کیا ہے، اسلام کا صراط مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے، وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے، نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے، اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی کہ وہ مردوں کے لیے اس کشمکش گاہ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے۔" (سیرت عائشہ ص ۳۳)

وہ مسلمان عورتوں میں سیرت و کردار کا اعلیٰ نمونہ، حضرت عائشہ رضؓ کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے بارہ میں رقم طراز ہیں:-

"صدیقہ کبریٰ رضؓ کے سوا دنیا کی کون خاتون ہے جس نے مذہب و اخلاق اور تقدس کے ساتھ مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی، غرض گوناگوں فرائض انجام دیئے ہوں اور جس نے اپنی زندگی کے کارناموں سے خدا پرستی کے نمونوں سے اخلاق کی عملی مثالوں سے روحانیت کی پاک تعلیموں سے اور دین و شریعت اور قانون کی تعلیم و تشریح سے دنیا کی کروڑوں عورتوں کے لیے ایک

کامل زندگی اور رگوں بھا عملی نمونہ چھوڑا ہو اور جس نے اس عظیم الشان تعدد نسوانی کو اپنے مذہبی، اجتماعی اور علمی احسانات سے گراں بار کیا ہو۔"

(سیرت عائشہؓ ص ۲۹۰)

یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک رہیں اور اپنے ہاتھوں سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں، ان کے ساتھ ام سلیمؓ، ام سلیطؓ اور دوسری صحابیہ خواتینؓ بھی تھیں، پھر حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل کی جس طرح سربراہی کی اس کی پوری تفصیل سیرت عائشہؓ میں لکھ کر حضرت سید صاحبؒ نے اپنی روشن ضمیری سے یہ روشن پہلو دکھایا ہے کہ:

"یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات، فرائض امامت کے منافی ہیں اور خود اسلام نے امام کے لیے جو ضروری شرائط قرار دیئے ہیں، ان سے جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی، اس لیے وہ امامت جمہور اور خلافت الٰہی کے فرائض سے سبکدوش ہے، لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان عورت کے لیے کسی حالت میں بھی ملک کی سیاسی اور قومی رہبری جائز نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسلامی ملت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس کے خیال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو، امام مالک اور امام طبری اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت اور اختیار کا عہدہ مل سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں بازار کا انتظام ایک عورت کے سپرد کیا تھا، خود حضرت عائشہؓ جب مسلمان عورتوں

کے مجمع میں ہوتیں اور نماز کا وقت ہوتا تو بیچ میں امام بن کر کھڑی ہو جاتیں۔'' (سیرت عائشہؓ ص ۱۱۵ - ۱۱۴)

مگر حضرت عائشہؓ کی زندگی کا یہ پہلو بھی قابل اعتنا ہے کہ جنگ جمل کے بعد اپنے گھر ہی میں بیٹھی رہیں، اپنی غیر معمولی ذہانت، صلاحیت اور علمی استعداد کے باوجود حکومت میں کوئی انتظامی یا فوجی عہدہ کی طلبگار نہیں ہوئیں، بلکہ انہوں نے گھر میں بیٹھ کر اپنے فضل و کمال علم اجتہاد، قرآن مجید کے درس اور تفسیر، احادیث کے استنباط، فقہی مسائل کی تصریح، کلام اور عقائد کی توضیح، علم اسرار الدین کی ترویج، طب، تاریخ اور شاعری سے شغف، افتا اور ارشاد کے ذریعہ سے اصلاح کی کوشش کی اور دنیا کو یہ بتا دیا کہ عورت گھر میں ۔ ۔ ۔ رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی، سیاسی اور عام دنیاوی فرائض اور خدمات انجام دے سکتی ہے اور مردوں کے دوش بدوش رہ کر اپنی زندگی کے کارنامے سے دنیا کی دوسری عورتوں کے لیے تقلید اور اتباع کا سامان چھوڑ سکتی ہے، ان کے بارہ میں جناب سید صاحبؒ بڑی انبساطی کیفیت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ

> "عہد محمدی میں بعض صحابہؓ مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق تھے تو الحمد للہ صحابیات میں بھی ایک ذات ایسی تھی جو مریم اسلام کی حیثیت رکھتی تھی۔'' (ایضاً ص ۲۸۳)

جناب سید صاحبؒ اس کے قائل تھے کہ اگر مسلمان عورتیں چاہیں تو حضرت عائشہؓ کی طرح، مذہب، اخلاق اور تقدس کے ساتھ مذہبی، علمی، سیاسی، تمدنی اور دوسرے فرائض انجام دے سکتی ہیں، حجاب اور خانہ نشینی ان کے لیے مانع نہیں

سید صاحبؒ نے سیرت عائشہؓ لکھ کر اسلام میں عورتوں کا جو رتبہ ہونا چاہیے، اس کو تو متعین کر دیا ہے مگر جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے، ہندوستان میں ان کے نکاح، طلاق اور وراثت کے مسائل میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہے، اس سلسلہ میں انھوں نے قرآن مجید، حدیث اور فقہ کے اپنے گہرے مطالعہ سے ان کو حل کرنے میں بڑی ہمدردی سے دلچسپی لی، جیسا کہ حسب ذیل تفصیلات سے اندازہ ہوگا۔

۱۹۳۰ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں (پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی) کی تحریک سے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کا نام "مسلم میرج سب کمیٹی" تھا، اس کا مقصد مسلمانوں کو نکاح و طلاق کے معاملات پر غور اور نکاح و طلاق کو رجسٹرڈ کرنے کے لیے ایک قانون بنانا تھا، اس کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان (جج الہ آباد ہائی کورٹ) تھے، اس کے ممبروں میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کے علاوہ یوپی کی مجلس قانون ساز کے چند مسلمان ممبر اور بعض رؤسا تھے، علماء میں سید صاحبؒ کے ساتھ مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولوی نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا قطب الدین فرنگی محلی وغیرہ تھے، اس کمیٹی نے جو رپورٹ تیار کی وہ یوپی کی مجلس قانون ساز میں قابل قبول نہیں سمجھی گئی تو پھر مولانا کفایت اللہ اور مولانا قطب الدین کی تائید سے سید صاحبؒ نے ایک علٰحدہ رپورٹ تیار کی، یہ رپورٹ ان ہی کی لکھی ہوئی تھی، اس لیے اس سے ان کے خیالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ نکاح و طلاق کا اندراج سرکاری طور پر ایک رجسٹر میں ہو، سید صاحبؒ نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ شریعت اسلامیہ کے اصول و احکام کی بنا پر نکاح و طلاق کی صحت کے لیے کتابت اور رجسٹر میں اندراج کی ضرورت

نہیں، مذہبی طور پر زبانی ایجاب وقبول (بشرائط مقررہ ومعتبرہ) نکاح کے لیے اور زبانی الفاظ طلاق (بشرائط مقررہ ومعتبرہ) وقوع طلاق کے لیے کافی ہیں، کوئی نکاح صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھا نہیں گیا یا سرکاری رجسٹر میں درج نہیں ہے اور کوئی طلاق صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھی نہیں گئی یا سرکاری رجسٹر میں درج نہیں ہوئی، ناجائز اور قابل انکار نہیں قرار دی جاسکتی، اس لیے کوئی ایسا قانون جو نکاح وطلاق کی اس حیثیت پر اثر انداز ہو، قبول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ اسلامی حکم کے خلاف ہوگا، ہاں نکاح وطلاق کے اندراج کو صحت نکاح وطلاق کے لیے غیر ضروری تسلیم کرتے ہوئے اس حیثیت سے یہ مسئلہ زیر بحث آسکتا ہے، کہ آیا ایسا اندراج جائز ومفید ہے یا نہیں، سید صاحبؒ نے اس کے دو پہلو بتائے، ایک تو یہ کہ اس قسم کا اندراج مفید ونافع ہے، اور اس کا رواج دینا مناسب ہے، جس قدر لوگ اس پر عمل کریں اتنا ہی فائدہ ہے، اس کا نام اختیاری اندراج ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ چونکہ اس اندراج میں بہت سی مصلحتیں ہیں، اس سے بڑی حد تک مقدمات سے نجات مل سکتی ہے، نکاح کے ثبوت اور دین مہر کے تعین میں سہولت ہوتی ہے، اس لیے اس کو لازمی طور پر جاری کردیا جائے، اس کا نام جبری اندراج ہے، جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے، شریعت اسلامیہ کی رو سے اس پر اعتراض جائز نہیں؛ بلکہ اس کے نزدیک وہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہے، عملی پہلو کے لحاظ سے اسلامی سلطنتوں اور ہندوستان کی مسلم ریاستوں میں اس پر کم وبیش عمل درآمد بھی ہے، جہاں تک جبری اندراج کا تعلق ہے، فقہی حیثیت سے اس پر دو اعتراضات کیے جاسکتے ہیں، ایک یہ کہ اندراج وتحریر شرعاً صرف مستحب اور پسندیدہ ہے وہ واجب نہیں کہ کسی شرعی

اختیار کے بغیر کسی تبرع اور استحباب کو واجب میں نہیں بدلا جا سکتا، یہ شرعی اختیار صرف امام مسلمین کو پہونچتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مصلحتوں کی بنا پر اپنے زمانہ میں کسی قانون کو جو اصل میں غیر واجب ہو، واجب قرار دے، لیکن جہاں غیر مسلم حکومت ہو، ایسے معاملات کے نظم ونسق و ترتیب و اجراء کے لیے حسب ذیل تین شکلیں تجویز کی جا سکتی ہیں (۱) اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق اور متحد ہو کر ایک .... والی کا انتخاب کریں اور وہ قاضیوں کا تقرر کرے جو نکاح و طلاق کے مسئلے کو طے کریں (۲) یہ نہ ہو سکے تو غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہی ان پر ایک مسلمان والی مقرر کردے یہ مسلمان والی پھر قاضی مقرر کرے (۳) یہ بھی ممکن نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی کا انتخاب کریں، یہ تینوں شکلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

سید صاحبؒ نے اپنی اس رپورٹ میں اپنی دوربینی سے یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ان شرعی معاملات کے نظم، نسق، ترتیب، ان احکام کے اجراء اور قضا کے لیے تینوں مذکورۂ بالا شکلوں میں ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان میں مختلف مذہبوں اور قوموں کی ایسی مخلوط آبادی ہے، جس کا لحاظ کرکے یہاں کی غیر مسلم حکومت کیلئے خاص طور سے مسلمانوں کی خاطر ایک مستقل مسلمان والی کے تصور کو منظور کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس بنا پر اگر کوئی صورت ممکن ہے تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کریں اور اس قاضی کو تنفیذ کی طاقت اور قوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت اس انتخاب کو قبول کرے، اس بنا پر اگر صوبہ کے مسلمان ایک قاضی القضاۃ کا انتخاب کریں اور گورنمنٹ اس کو منظور کرے اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانوں کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع

اور تحصیلوں میں قاضیوں اور نائب قاضیوں کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہو جاتا ہے، سید صاحبؒ کو اس کا احساس رہا کہ بعض اوقات نکاح کے وقت لڑکیوں کے ساتھ اس لحاظ سے بے انصافی ہوتی ہے کہ ایسے لوگ بھی ان کا نکاح پڑھا دیتے ہیں جو ممکن ہے کہ ترکہ، وراثت، رضاعت، رشتوں کے حلال و حرام ہونے، عدت، طلاق کی مختلف صورتوں، خلع، خیار اور تفریق کے مسائل، ولی ہونے کے باہمی فرق و مراتب اور ان کے اختیارات سے پورے طور پر واقف نہ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کی غلطیوں کی وجہ سے مقدمے دائر ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں یہ مقدمات، خاندانوں اور عدالتوں دونوں کے لیے مصیبت کا باعث ہوتے ہیں، مسلمان لڑکیاں مظلوم بنی رہتی ہیں، اس مصیبت کو رفع کرنے کے لیے سید صاحبؒ نے اپنی رپورٹ میں اس کے لیے تین قسم کی سفارشیں کیں کہ (۱) مسلمانوں کے ان مسائل کے لیے قاضی مقرر کیے جائیں اور ان کو ایک مرکزی نظام میں لا کر پورے صوبہ میں مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے لیے ایک علیحدہ محکمۂ قضا قائم کر دیا جائے جس کو ان معاملات میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار ہو، اس طرح تو ساری مشکلات دور ہو جائیں گی، عدالتیں بھی بہت سی دقتوں سے محفوظ ہو جائیں گی، رجسٹری آفس بھی نئی ذمہ داریوں سے محفوظ رہیں گے (۲) اگر بالفعل یہ ممکن نہ ہو تو اس مشکل کی آسان صورت یہ ہے کہ قاضیوں کو ان معاملات کے لیے وہ اختیارات دیئے جائیں جو آنریری منصف کو حاصل ہیں، تاکہ وہ اپنے اختیارات سے ایسی مشکلوں کو دور کر سکیں، سید صاحبؒ نے اس کی طرف بھی توجہ دلائی کہ موجودہ عدالتیں اس مشکل اس لیے حل نہیں کر سکتی ہیں کہ ان مسائل میں شرع اسلامی کے رو سے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ جائز نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ایسے مسلمان حاکموں سے اس کے

فیصلے کرائے جاسکتے ہیں جو قانون شرع سے واقف نہ ہوں، تیسری صورت یہ بتائی ہے کہ ہر ضلع میں ایک مسلمان حاکم ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ ان مسائل کا خاص امتحان پاس کرے اور اس کو ایسا اختیار دیا جائے جس کے رو سے وہ ان مشکلات کو حل کرسکے۔

یہ رپورٹ غالباً ۱۹۲۰ء میں پیش کی گئی تھی، لیکن اس پر بھی برطانوی حکومت نے کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر بھی اسلام میں عورتوں کا جو درجہ رہا ہے اور جو ہونا چاہیے، اس کی تبلیغ اور ترویج کرنے میں حضرت سید صاحبؒ برابر پیش پیش رہے۔

سید صاحب کے زمانہ میں مصور غم مولانا راشد الخیری عورتوں کے حقوق کے بہت بڑے نگہبان اور پشتیبان سمجھے جاتے تھے، انھوں نے ۱۹۲۴ء میں اخبارات میں ارتداد اور خلع کا مسئلہ چھیڑ دیا تو سید صاحب نے اگست ۱۹۲۴ء کے معارف کے شذرات میں ان دونوں مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور یاد دلایا کہ انھوں نے ۱۹۱۵ء میں معارف کے ذریعہ سے اس پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں کے لیے شیخ الاسلام کے عہدہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی نگرانی میں امور مذہبی کی تنظیم ہو، اس کے لکھنے کا زیادہ تر محرک مسلمان عورتوں کی مظلومیت کا مسئلہ تھا عورت اگر فسخ نکاح کا دعویٰ کرنا چاہے تو وہ کیا کرے، کس کی عدالت میں جائے، کس قاضی کے سامنے اپنے مقدمہ کو پیش کرے، غیر مسلم عدالتوں میں رجوع کرنے سے رہی، کوئی اسلامی طاقت ان کے ہاتھ میں نہیں، ایسی حالت میں مسلمانوں کی تنظیمی قوت کو مضبوط کرنے اور اس کی عدالت کو بااختیار اور صاحب تنفیذ بنانے کے سوا چارہ کیا ہے، وہ خوش تھے کہ صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کے ذریعہ سے ایسے مقصد کی تکمیل کسی حد تک

ہورہی ہے، اور اس کی بدولت ہمارکی اسلامیت پہلے سے زیادہ بہتر ہے، مگر ضرورت ہے کہ ایسی تنظیم ہر جگہ قائم ہو، اور اس کے منتہائے مقصد کی تکمیل میں مسلمان پورا تعاون کریں،

پھراسی سلسلہ میں خلع کے مفہوم کو یہ لکھ کر سمجھایا ہے کہ اگر عورت کسی مناسب سبب سے شوہر سے علٰحدگی چاہتی ہو تو وہ قاضی کے روبرو اپنے ارادہ کو پیش کرے اور شوہر کا کل دین مہر یا اس کا کچھ حصہ جو طرفین کی باہمی رضامندی سے طے پا جائے واپس کر کے آزادی حاصل کر سکتی ہے، سید صاحبؒ رقمطراز ہیں کہ اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ خلع کا دباؤ آج قرن اولی سے زیادہ مسلمان شوہروں کو عدل وانصاف پر آمادہ کر سکتا ہے، پہلے اول تو دین مہر کی مقدار اس قدر زیادہ نہیں ہوتی تھی، دوم عموماً شوہر اپنے اس فرض کو فی الفور ادا بھی کر دیتے تھے، اس لیے وہ نسبتہً خلع کا معاملہ پڑنے پر پڑھکے رہتے تھے، اور اب دین مہر کی تعداد عموماً ایسی ہوتی ہے کہ جس کا ادا کرنا تمام تر مشکل ہے اور وہ مہر معجل بھی نہیں ہوتا، اس لیے اب اگر مسلمان عورت خلع کا دعویٰ کرے تو شوہروں کو اس سے عہدہ برآ ہونا سخت مشکل ہوتا ہے اور وہ اس لیے عدل وانصاف پر زیادہ مجبور ہو سکتے ہیں کہ پہلے ان کو دین مہر ادا کرنا ہوگا، اس کے بعد وہ اس کو پورا یا اس میں سے کچھ واپس لے سکتے ہیں، ممکن ہے کہ پہلے مہر ادا کر دینے کی شرط پر بعض علماء اختلاف کریں، اس لیے اس کو بھی صاف کر لینا چاہیے، مگر برطانوی حکومت میں خلع کا رواج نہیں رہا، اس لئے عورت طلاق ہی لینے پر مجبور رہتی تھی،

سید صاحبؒ مسلمان عورتوں کے رتبہ اور حقوق کی پاسداری میں برابر لگے رہے،

جون و جولائی ۱۹۳۱ء کے معارف میں اپنے ایک عزیز ندوی شاگرد مولانا عبدالرحمٰن

نگرامی کا ایک مضمون "خواتینِ اسلام" کے عنوان سے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا کہ غالباً اب تک اس سے جامع تر کوئی مضمون نہیں نکلا ہے، جس میں عورت کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کا پورا استقصار ہو، اس میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ عورت انسانیت کو مکمل کر دینے والی مخلوق ہے (معارف جون ۱۹۲۱ء ص ۳۹۸) عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے لباس ہیں، دونوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی تزئین کی معاون ہوں، عورتیں دنیا کی سب سے زیادہ گرانمایہ پونجی ہیں اور سب سے زیادہ عزیز متاع ہیں (ایضاً ص ۴۰۴) عورت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی بدن میں پسلی کو ہے، سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورت سے اچھا سلوک کرتا ہے (ص ۴۰۵) ماں باپ دونوں کی خدمت واجب ہے لیکن ماں کی خدمت زیادہ قابل ترجیح ہے (ص ۴۱۲) کنواری اور بیوہ دونوں سے نکاح کے معاملہ میں ان سے اجازت لینا ضروری ہے، (ص ۴۱۴)، عورتوں کو وراثت میں حصہ دینا ضروری ہے (ص ۴۱۶)، جنس لطیف کو تعلیم نہ دلانا قابل الزام ہے (ص ۴۱۷)، مردوں کی فضلیت کا ماحصل محض عورتوں کے طریق کار کی نگرانی ہے (ص ۴۲۱)

اس مضمون کی دوسری قسط میں عورتوں کے اور مسائل کے ساتھ اسلام میں ان کی ثابت قدمیٔ اسلام کے لیے ان کے ایثار اور جنگی خدمات وغیرہ کا ذکر کر کے مردوں پر ان کی اولیات کا شمار اس طرح کیا گیا ہے (۱) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے صدائے لبیک، صنف نازک یعنی حضرت خدیجہؓ کی طرف سے ہوئی (۲) معجزات کی تصدیق بھی سب سے پہلے ایک عورت ہی یعنی حضرت خدیجہؓ نے کی (۳) اسلام میں درجۂ شہادت سب سے پہلے ایک عورت یعنی مشہور صحابی حضرت عمارؓ بن یاسر کی

بسمیہؓ نے حاصل کی جن کو ابو جہل نے شہید کیا (۴) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے ایک عورت ہی نے خبردار کیا (۵) ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانداری ام سعیدؓ نامی ایک صحابیہ نے کی (۶) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب میں بحری جہاد کرتے ہوئے دیکھا تو ام حرم نے سب سے پہلے اس میں شرکت کی خواہش ظاہر کی اور وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جزیرۂ قبرص کے جہاد میں شریک ہوئیں اور وہاں گھوڑے سے گر کر جام شہادت نوش کیا (۷) سب سے پہلے شفاخانہ، عہد نبوت میں رفیدہ اسلمیہ نامی ایک عورت کی نگرانی میں قائم ہوا، جو خاص مسجد میں تھا (۸) مدینہ میں ایک بیوہ عورت کو سہلؓ بن حنیف اپنی قوم کے سونے کے بت توڑ کر دے جاتے تھے اور وہ بیوہ اس کو ایندھن بنا لیتی تھی، اس طرح سونے کی عملی توہین کی ابتدا ایک عورت ہی نے کی (معارف جولائی ۲۰ء ص ۴۳)

اس مضمون پر حضرت سید صاحبؒ کے مذکورہ بالا نوٹ سے ان تمام باتوں سے ان کی تائید کا اظہار ہوتا ہے اور پھر جولائی ۲۱ء کے معارف کے شذرات میں یورپ میں عورتوں کے حقوق کی وکالت جس طرح سے کی جاتی ہے مگر وہاں طلاق و استقاط کی جو روز افزوں شرح ہے اس کی تفصیل بیان کر کے ان مسلمانوں کو غیرت دلائی جو یورپ کے دنیاوی اور مادی تفوق سے متاثر اور مرعوب ہو کر وہاں کے ہر عیب کو ہنر سمجھتے ہیں اور یہ بھی لکھا کہ صاحب اور میم..... دونوں کو ساتھ ساتھ پھرتے دیکھ کر ایسے مسلمان اپنی کتابوں سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ پردہ کی رسم ہماری شریعت کے بالکل خلاف ہے اور اسلام میں تعدد ازدواج

تقریباً حرام ہے، ایسی ذہنی غلامی پر سید صاحبؒ نے لعنت بھیجی ہے (ایضاً ص ۸)

سید صاحبؒ نے ۱۹۲۶ء کے معارف کی چھ اشاعتوں میں مسلمان عورتوں کے حقوق" کے عنوان سے بڑا عالمانہ، محدثانہ اور فقیہانہ مضمون لکھا، اس میں مسلمان عورتوں کے نکاح و طلاق کے سلسلہ میں تحریر فرمایا کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب نے مسائل میں عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں برتا ہے، مگر دنیا کے آخری ربانی پیغام اور عمل دین نے مذاہب کی ان بے انصافیوں کا خاتمہ کر دیا، اور جس طرح مرد کے لیے طلاق کی صورت تجویز کی، عورت کے لیے خیار، خلع اور تفریق کی بھی مختلف صورتیں رکھی ہیں، (معارف اپریل ۱۹۲۶ء ص ۲۴۵) پھر قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں یہ بتایا کہ جوان بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا پورا اختیار حاصل ہے، باپ یا ولی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی مرضی دریافت کئے بغیر اس کا نکاح کر دے اور اگر کر دے تو لڑکی کو جب اس کا علم ہو تو وہ اس کو باطل قرار دے سکتی ہے (معارف جون ۱۹۲۶ء ص ۴۱۲) البتہ نکاح کی شریفانہ اور افضل صورت یہ ہے کہ لڑکی کے باپ یا ولی کو پیام دیا جائے اور وہ لڑکی کی مرضی دریافت کرے، اگر وہ راضی ہے تو اس کا نکاح کر دیا جائے، سید صاحبؒ نے اس کی پُرزور وکالت کی ہے کہ لڑکیوں کو رفیق حیات کے انتخاب اور منظوری میں اسلام کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں، اگر مسلمان لڑکیاں اس بارہ میں عملاً اپنے کو معذور محض اور مجبور خیال کریں تو یہ رسم و رواج اور نقص تربیت کا اثر ہوگا، اسلام اس گناہ سے قطعاً پاک اور بری ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان لڑکیاں اپنے والدین کی رضا جوئی کے ساتھ ساتھ اپنے جائز حق کو کام میں لائیں اور خود والدین کو اپنی آئندہ زندگی کے مسئلہ میں مدد دینے کی کوشش کریں (معارف جون ۱۹۲۶ء ص ۴۰۴)

نابالغ لڑکیوں سے متعلق وہ رقمطراز ہیں کہ اگر ان کا نکاح باپ یا باپ نہ ہونے کی صورت میں دادا نے کر دیا ہو تو لڑکی کو بالغ ہونے اور سن شعور کو پہونچنے کے بعد اس نکاح کے فسخ کرنے کا مطلق اختیار نہیں، اور چار ونا چار اس کو اپنے باپ دادا کے فیصلہ کو جائز قرار دینا ہوگا۔ اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح اپنے اختیار سے کیا ہو تو عین بالغ ہونے اور بلوغ کی علامت ظاہر ہونے کے بعد اس کو اپنی نارضامندی کا اظہار کرنے اور نکاح کو فسخ کر دینے کا حق ہے اور اگر سن بلوغ پہونچنے سے پہلے اس میں ہوش و تمیز آگئی ہے تو بھی اس نکاح کو قبول کرنے سے انکار کر سکتی ہے۔ اور اگر اس وقت وہ خاموش رہ جائے یا کوئی ایسی بات کرے جس سے اس معاملہ کو قبول کر لینے کا اشارہ پایا جائے تو پھر یہ حق باقی نہیں رہے گا" سید صاحبؒ نے اس کی وضاحت کی کہ یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے، امام مالکؒ کے نزدیک نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق، باپ کے علاوہ کسی اور ولی کو نہیں حاصل ہے، اگر کوئی ولی نکاح کر دے تو گو وہ نکاح لڑکی کی رضامندی سے کیوں نہ ہو، جائز نہ ہوگا، امام شافعیؒ نے باپ کے ساتھ دادا کو بھی حق دیا ہے، باپ کی ولایت میں نابالغ لڑکی کے نکاح کا جواز عموماً تمام فقہا کا مسلک ہے اور ہر عہد میں تمام مسلمانوں کا عمل اس پر رہا (معارف اپریل ۱۹۳۰ء ص ۲۶۴)

سید صاحبؒ نے ایک عورت کو اپنے شوہر سے علٰحدگی کے لیے چار صورتیں بتائی ہیں خیار، خلع، طلاق اور تفریق، خیار سے مراد یہ ہے کہ ایک نابالغ لڑکی کو اختیار ہے کہ اس کے ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں اس کا نکاح کر دیا ہے تو وہ اپنے ہوش و تمیز میں آنے اور بالغ ہونے پر اس نکاح سے انکار کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

خلع کی جو تصریح سید صاحبؒ نے کی ہے، اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، طلاق اور تفریق کن حالات میں عمل میں آسکتی ہے اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملے گی،

جب برطانوی حکومت کے زمانہ میں ۱۹۲۹ء میں ہندوؤں نے ساردا ایکٹ کے ذریعہ نابالغ لڑکوں کی شادی پر پابندی لگانے کی کوشش کی تو مسلمانوں میں بڑا ہیجان پیدا ہوا، حضرت سید صاحبؒ نے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی اور نومبر ۲۹ء میں معارف کے شذرات میں لکھا کہ آج کل کی مجلس آئین میں کم سنوں کی شادی کے انسداد اور بلوغ کی مدت کے تعین کا مسودہ پیش ہوا ہے، ہم جانتے ہیں کہ اس مسودۂ قانون کو پیش کرنے والوں کی نیت اچھی ہے اور ملک کی ایک معاشرتی اصلاح کو جو بعض حالات میں انسانوں کے لیے رحمت کے بجائے زحمت کا موجب ہو سکتی ہے، کسی غیر سلطنت کی قوت سے جاری کرنا ملک کی اخلاقی طاقت کے زوال کو نمایاں کر رہا ہے، بعض خاص حالات کو مستثنیٰ کر کے کم سنی کی شادی اور خصوصاً وہ شادی جو باپ کے علاوہ دوسرے ولی اپنی سرپرستی میں انجام دیتے ہیں، قطعاً روک تھام کے لائق ہے، مگر یہ یاد رہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہماری معاشرت، ہمارے اخلاق، ہمارے تمدن، اور ہمارے مذہب، ہر ایک سے متعلق ہے، ایسے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والی اصلاحوں کا غیر قومی سلطنتوں کے ذریعہ . . . . مطالبہ کرنا گویا اس سلطنت کو آئندہ اپنی معاشرت، اپنے اخلاق اپنے تمدن اور اپنے مذہب پر حملہ کرنے کی خود ترغیب دینا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کا قانون

اس باب میں بجائے خود کافی ہے، ان کو اپنے قانون میں کسی خارجی اصلاح و ترمیم کی ضرورت نہیں، اور نہ ایسے مسودۂ قانون کی حاجت ہے جو ان کے مذہبی قانون کی وسعت کو کم اور زیادہ کرے یا اگر ان کو کمسنی کی شادی کے رواج کو کم کرنے کی ضرورت ہے تو یہ کام علماء، واعظین، اسلامی انجمنوں، رسالوں اور اخباروں سے لیا جا سکتا ہے، گو یہ بلا شبہہ دیر طلب ہے مگر خطرات سے پاک ہے اور پھر پوری شدت بیان کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ کسی اسلامی قانون میں کسی قسم کی کمی بیشی خواہ وہ اصلاح ہی کیوں نہ ہو اور نیک نیتی پر مبنی کیوں نہ ہو، براہ راست کسی غیر اسلامی سلطنت کے حکم اور کسی ایسی مجلس کی اکثریت سے ہو جو مسلمان نہ ہو، ہم اپنی مرضی سے منظور نہیں کریں گے، اور اس اصول کی خاطر ہر طرح لڑنا ہمارا حق ہے (معارف نومبر سنہ ۲۹ ص ۳۲۵) اور یہ بھی لکھا کہ کسی غیر اسلامی حکومت کو مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے سلسلہ میں قانون بنانے کا حق نہیں اور اگر یہ حق دیدیا گیا تو مسلمانوں کی ممتاز ہستی اس ملک میں باقی نہیں رہ سکتی (شذرات، معارف نومبر سنہ ۲۹ ص ۳۲۷)

یہ باتیں جابر برطانوی حکومت کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں اور جب اس رسالہ کے اس دیباچہ کی سطریں لکھی جا رہی ہیں، اس سے کچھ ہی دن پہلے ہماری موجودہ حکومت کے سپریم کورٹ نے ایک مسلمان مطلقہ عورت کے مقدمہ کے فیصلہ میں اس کے سابق شوہر سے اس کو پوری زندگی، نان نفقہ دلایا اور ایک مشترکہ سول کوڈ کی سفارش کی، اس فیصلہ سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی اور حضرت سید صاحبؒ کی یہ آواز ہر طرف سنائی دینے لگی کہ ہندوستان

کی حکومت نے مسلمانوں کے نکاح و طلاق کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس ملک میں ان کی ہستی باقی نہیں رہ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حکومت کو مسلمانوں کی بے چینی کا صحیح احساس ہوا اور اس نے پارلیمنٹ کے ایک بل کے ذریعہ مسلمان مطلقہ عورتوں کے نان نفقہ کا مسئلہ مسلمانوں کی مرضی کے مطابق طے کیا۔

سید صاحبؒ اس بات پر بھی زور دیتے رہے کہ جہاں مسلمان عورتوں کو باپ کی وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا، وہاں ان کو ضرور ملنا چاہیے، چنانچہ ۲۹ء میں پنجاب کونسل میں یہ بل پیش ہوا کہ وراثت میں مسلمان عورتوں کا حق جائز ہے تو سید صاحبؒ نے نومبر ۲۹ء کے معارف کے شذرات میں یہ لکھا کہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک طرف مسلمان سارداایکٹ کے خلاف اس لیے ہوئے کہ یہ مذہب میں مداخلت ہے اور عورتوں پر ظلم ہے، مگر دوسری طرف متحدہ صوبوں میں خود اپنے عمل سے مذہب میں بے جا مداخلت اور عورتوں پر یہ ظلم کر رہے ہیں کہ بربنائے رواج، ان کی جائز شرعی وراثت نہیں ہے، پنجاب کونسل میں میاں عبدالحیٔ صاحب کی تجویز پیش ہے کہ ان کو ان کا جائز حق قانوناً دلایا جائے سید صاحبؒ نے طنزاً لکھا کہ دیکھیں مذہب میں مداخلت کا ماتم کرنے والے رواج میں مداخلت کو کہاں تک ہنسی خوشی منظور کرتے ہیں، حکومت پنجاب شاید یہ کہے کہ اصلاح گو کسی قدر مذہب کے مطابق ہے، مگر چونکہ لوگ نہیں چاہتے اسلیے جبراً یہ قانون نافذ نہیں ہو سکتا، سید صاحبؒ نے یہ لکھ کر استہزاء کے ساتھ سوال کیا کہ کیا یہ اصول مرکزی حکومت کے سامنے ساردا ایکٹ کی منظوری کے وقت پیش نظر نہ تھا (معارف دسمبر ۲۹ء)

حضرت سید صاحبؒ نے بھوپال کی والیہ سلطان جہاں بیگم کی وفات پر مئی سنہ کے معارف میں ان پر جو ماتم کیا تھا، اس سے بھی اندازہ ہوگا کہ ان کی نظر میں عورت کا مرتبہ کیا تھا اور کیا ہونا چاہیے، اس ماتم کے جستہ جستہ اقتباسات یہ ہیں،

سلطانہ مرحومہ مشرقی و مغربی تعلیم کا ایسا مجمع البحرین تھیں جو آج مصلحین وقت کا آئیڈیل ہے ان کی مشرقی تعلیم پوری اور مغربی واقفیت بقدر ضرورت تھی، وہ نہ صرف تعلیم کی سب سے بڑی حامی، مذہبی علوم و فنون کی سب سے بڑی سرپرست ہندوستان کی معتدل نسوانی اصلاحات کی سب سے بڑی مبلغ، عورتوں میں سب سے بڑی کثیر التصانیف اور سب سے بہتر مقررہ تھیں، لیکن ہر قسم کے انتظامی، اصلاحی، علمی اور تعلیمی کارناموں سے بڑھ کر ان کا حقیقی شرف ان کی مذہبی گرویدگی، دینی عقیدت اور ایمانی جوش و ولولہ تھا، وہ ہر قومی، مذہبی اور علمی تحریک پر سب سے پہلے لبیک کہتی تھیں اور اس کے لیے عملی قدم اٹھاتی تھیں، ان کی ہستی میں رعب و شفقت کی عجیب آمیزش تھی، ان کے اخلاق میں عجیب کشش تھی، ان کا دربار حد درجہ سادہ ہوتا تھا، دربار کے آداب بھی تمام تر مشرقی تھے، پردہ کے پیچھے وہ تشریف رکھتی تھیں، کورنش، تسلیمات، رکوع اور سجود کا وہاں دخل نہ تھا، سب سے پہلے السلام علیکم کی بلند آواز ان کی طرف سے آتی تھی، شاید ہی ان سے کوئی ملا ہو اور اخلاق و معلومات کی وسعت سے متاثر نہ ہوا ہو، ان کو رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے مثال عقیدت تھی، ان کی گفتگو، تحریر، تقریر اور ہر چیز سے ان کا یہ جذبہ ظاہر ہوتا تھا (یاد رفتگاں ص ۱۰۰-۱۰۲، شائع کردہ دار المصنفین)

سید صاحبؒ نے سلطان جہاں بیگم مرحومہ کے جو اوصاف لکھے ہیں، ان کے ذریعہ سے یہ پیام دیا ہے کہ اگر کسی اسلامی ملک کی کوئی خاتون ملک کی فرمانروائی کرنا چاہے تو ان ہی اوصاف کے ساتھ کر سکتی ہے، جو سلطان جہاں بیگم میں موجود تھے۔

سید صاحبؒ کو اس کا بھی بڑا دکھ رہا کہ ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو اپنی ازدواجی زندگی میں جو قانونی مصائب پیش آتے رہتے ہیں ان کا کوئی دفعیہ موجودہ حکومت کے قانون میں موجود نہیں، علمائے اسلام، مصلحین امت اور مسلمانوں کے اخبارات نے بار بار حکومت کو متوجہ کیا، خود سید صاحبؒ نے معارف کے شذرات اور مضامین میں اس کے متعلق بہت سی تجویزیں پیش کیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر آچکا ہے، مگر ان کو اور مسلمانوں کے ساتھ اس سلسلہ میں کامیابی نہیں ہوئی، اس کی تین وجہیں بتائیں کہ خود علما ان مسائل میں متفق نہیں ہوسکے، حکومت سے عوام کا زبردست مطالبہ نہیں ہوا اور خود حکومت نے اس کی طرف سے تغافل برتا (معارف مارچ ۳۲ء) مگر جب بھوپال کے فرمانروا نواب حمید اللہ خاں نے اپنی ریاست کے علما کو حقوق زوجین کے تحفظ کے لیے متفقہ طور پر راضی کر لیا اور ضابطے مرتب کرالیے تو سید صاحبؒ نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور مارچ ۱۹۳۲ء کے معارف میں لکھا کہ اگر نواب صاحب اپنی کوشش سے ان کا اطلاق پورے ہندوستان پر کرادیں اور ان کو ہندوستان کے قانون میں جگہ دلادیں تو ان کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہوگا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی نصف بے زبان آبادی کی دادرسی کا بہترین کفیل ہوگا، پھر سید صاحبؒ نے

اسی مہینہ کے معارف میں ان ضابطوں کی پوری تفصیل شائع کی، یہاں پر ہم اپنے ناظرین کو بھی ان سے روشناس کرتے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں ان پر عمل کر کے مسلمان مرد اپنے مذہبی تحفظ کا سامان کر سکتے ہیں۔

ان ضابطوں کو مرتب کرنے والوں کو اس کا پورا احساس تھا کہ مسلمان عورتیں بذریعہ مجبوری رشتہ نکاح سے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہیں تو ان کو اس میں اتنی دشواریاں پیش آتی ہیں کہ نہ صرف ان کی بلکہ ایک کثیر جماعت کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، ان کو مرتب کرتے وقت یہ رہبر اصول سامنے رکھا گیا کہ چونکہ حنفی مسلک اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے حاکم کے حکم کے مطابق دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے، اسی بنا پر ضابطہ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مفقود الخبر شوہر سے متعلق یہ ضابطہ مقرر ہوا کہ جب وہ لاپتہ ہو اور اس کی بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہ ہو اور بیوی اس سے تفریق کی درخواست دے تو محکمۂ قضا تین مہینوں تک اس کی مفقود الخبری کا اشتہار دے اور اس کا کچھ پتہ نہ معلوم ہو سکے تو امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق تین ماہ کے بعد اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے اور اگر مفقود الخبر شوہر نے اپنی بیوی کے لیے نان نفقہ کا انتظام چھوڑا ہو تو اس کے لیے چار سال انتظار کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد نکاح فسخ کر دیا جائے، اس کے بعد عورت چار ماہ دس دن ایام عدت گزار کر نکاح ثانی کرنے کے لیے مجاز ہوگی اور اگر یہ مفقود الخبر شوہر فسخ نکاح اور ایام عدت کے

بعد واپس آجائے اور اس عورت کے اپنی بیوی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا،

اسی طرح ایک شوہر اپنی بیوی کو نان نفقہ نہ دیتا ہو تو بیوی کی شکایت پر محکمۂ قضا اپنے حکم سے اس کو نان نفقہ دلائے اور شوہر مقررہ تاریخ تک اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو ایسے شوہر سے بیوی کی تفریق کر دی جائے، جس کے بعد ایسی عورت کا نکاح ثانی، شرعی طریقہ سے کیا جا سکتا ہے، نان نفقہ کی مقدار کا تعین ہر صورت میں نان نفقہ دہندہ کی حیثیت کے مطابق ہو۔

اگر شوہر عنین یا مجذوم یا مبروص یا خصی ہو اور بیوی اس سے تفریق کی خواہاں ہو تو شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے اور وہ صحت یاب نہ ہو تو بیوی کی استدعا پر محکمۂ قضا سے زوجین کی تفریق کر دی جائے، مگر ایسی صورت میں بیوی کو زر مہر اور ایام عدت کے اخراجات سے دست بردار ہونا پڑے گا، بشرطیکہ یہ امراض نکاح کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور عورت بھی رتق یا قرن نہ ہو، اگر قبل نکاح یہ امراض رہے ہوں لیکن نکاح کے وقت چھپائے گئے ہوں تو اس صورت میں عورت تفریق کے ساتھ مہر پانے کی مستحق ہوگی لیکن قبل نکاح، مرد کے ان امراض میں مبتلا ہونے کا عورت کو علم رہا ہو تو اس کو تفریق حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا۔

اگر شوہر مجبوب یعنی جنسی حیثیت سے ناکارہ ہو تو اس کی بیوی کی استدعا پر محکمۂ قضا کی طرف سے اس کی تفریق کر دی جائے، شوہر نکاح کے بعد مجبوب ہوا ہو یا نکاح کے قبل ہی مجبوب تھا اور عورت کو اس کا علم نہ ہوا ہو تو مجبوبیت

کے ثبوت فراہم ہونے پر بلا مہلت تفریق کر دی جائے، ایسی صورت میں شوہر پر مہر واجب الادا ہوگا، اس کے علاوہ ہر وہ عیب جو زوجین کی نفرت کا باعث ہو اور اس سے نکاح کا مقصد حاصل نہ ہوتا ہو تو وہ اختیار فسخ کو واجب کر دیگا، اور اگر بیوی کو نکاح سے قبل شوہر کے مجبوب ہونے کا علم تھا اور وہ نکاح پر بیان دے چکی ہو تو اس کا حق تفریق باطل ہوگا۔ اگر شوہر بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا زوجین باہمی رحمت و مودت نہیں رکھتے یا قبل نکاح احد الزوجین، امراض لاعلاج میں مبتلا تھا تو بھی محکمہ قضا کو تفریق کرانے کا اختیار ہے۔

اگر کسی عورت کا شوہر چار سال یا اس سے زیادہ کی سزا پا کر بند ہو گیا ہو اور اس کے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو اس کی حالت معسر سمجھی جائے گی، اس کی درخواست پر محکمہ قضا سے تفریق کر دی جائے گی اور اس کو نکاح ثانی کرنے کی شرعی اجازت ہوگی، مفلسی کے عذر پر کوئی شخص اپنی بیوی کے نان نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے، وہ شخص محنت کر کے معاش حاصل کر سکتا ہے، اور اگر وہ ضعیف اور نحیف ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا ہے تو عورت طلاق کی مستحق ہوگی،

حسب ذیل صورتوں میں بھی وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاتی ہے، (۱) اس کا شوہر نکاح کے شرائط کو پورا نہ کرتا ہو (۲) اس کو نان نفقہ نہ دیتا ہو (۳) اس سے بھیک منگواتا ہو (۴) اس کے پاس مطلق نہ جاتا ہو (۵) اس سے ایسی مزدوری یا آبروریزی کراتا ہو جو اس کی کسر شان ہو (۶) متعدد بیویاں رکھ کر اس سے برابری نہ کر کے ناانصافی کرتا ہو (۷) اس پر جور و ظلم کر کے اس کو جسمانی ضرر پہنچاتا

ہو، ایسی صورت میں محکمۂ قضا، احکام شرعیہ کے مطابق نکاح فسخ کر سکتا ہے،

اگر کوئی عورت نکاح کے قبل، جنون، جذام یا مرض اندام نہانی مثلاً قرن اور رتق میں مبتلا رہی ہو اور شوہر کو اس کا علم نہ رہا ہو یا نکاح کے لیے رضامند نہ تھا تو وہ طلاق دے سکتا ہے، ایسی صورت میں امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق اس کو صرف ایک ربع دینار دینا ہوگا، بقیہ مہر ساقط ہوگا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے بعض شاگردوں نے زن و شو کے چند دیگر امراض کو بھی ان ہی امراض میں شامل کیا ہے جن کے سبب سے شوہر، بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اور بیوی، شوہر سے طلاق لے سکتی ہے۔ (۱) اندرونی گندگی (نتن الفرج)، (۲) گندہ دہنی (نتن الفم)، (۳)، پیشاب میں جلن ہونے پر (انخراق مجری البول)، (۴) اندام نہانی کے بہنے والے زخم (۵) بواسیر (۶) ناسور (۷) استحاضہ (۸) پیشاب کا بار بار آنا۔

یہ تمام ضابطے نواب حمید اللہ خاں کے زمانہ میں بھوپال میں نافذ کر دیئے گئے اور سید صاحبؒ خوش تھے کہ ہندوستان میں کم از کم ایک ریاست میں مسلمان عورتوں کے شرعی حقوق کا تحفظ ہو گیا، وہ چاہتے تھے کہ یہ ضوابط ہندوستان میں بھی نافذ ہوں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا،

حقوق الزوجین جب ۱۹۳۸ء میں سید صاحبؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف سیرۃ النبیؐ کی جلد ششم شائع کی تو اس میں حقوق الزوجین کا ایک باب قائم کر کے زن و شو کی زندگی کا ایسا لائحہ عمل مرتب کر دیا ہے، جو ہر زمانہ کے لیے مفید اور قابل عمل قرار دیا جا سکتا ہے، ہم اس کو اختصار کے ساتھ حتی الوسع سید صاحبؒ ہی کے

الفاظ میں ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اس کے شروع میں ایک بار پھر اسلام نے عورت کو جو رتبہ عطا کیا ہے، اس کی تصریح اس طرح کرتے ہیں کہ اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب قائم تھے، ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لیے عائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا، ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ، اور سادھو پن کے تمام پیرو اسی نظریہ کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھی، اسلام نے آکر اس نظریہ کو باطل کیا اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل جس قدر تجرد میں ہو سکتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ تعلق ازدواج میں ممکن ہے (ص ۲۴۵-۲۴۸)

اس بات کی وضاحت کرنے میں سید صاحبؒ نے قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ اسلام نے نکاح کو ہر عمر کے مرد و عورت بلکہ آزاد و غلام ہر ایک کے لیے بہتر اور خیر و برکت کا سبب قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اگر ایک کی تقدیر میں غربت ہو گی تو شاید دوسرے کی تقدیر میں فارغ البالی ہو تو ایک کے ذریعہ سے دوسرے کو فائدہ پہونچے گا، پھر ایک کام کرنے والے کے بجائے گھر میں دو کام کرنے والے ہوں گے، آگے اولاد کے ذریعہ اور کام کرنے والے بھی ہوں گے، بیوی کی کفالت کی خاطر اور اس کی محبت میں مرد بھی روزی کمانے میں بڑے بڑے کام انجام دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، پھر ہر انسان کو اپنی رفاقت کے لیے ایک ہم جنس کی تلاش ہوتی ہے تاکہ دنیا کے حوادث اور مشکلات کے تلاطم میں اس کو چین اور سکون حاصل ہو جو اس کو اپنی

بیوی یا بیوی کو اپنے شوہر کے خلوت خانہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے، اسی لیے اسلام نے میاں بیوی کی باہمی موافقت اور میل جول کو بڑی اہمیت دی ہے اور ان لوگوں کی سخت برائی کی ہے جو زن و شو کے باہمی میل جول اور مہر و محبت میں فرق ڈالتے ہیں۔ اس میل جول کے لیے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بیوی، شوہر کی فرماں برداری اور شوہر، بیوی کی دلجوئی کرے، اس طرح دونوں حقوق کے لحاظ سے برابر ہیں، لیکن مرد کو تھوڑا مرتبہ اس لیے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی دیکھ بھال اور خبرگیری کا ذمہ دار رہتا ہے، اس کے جائز مصارف کا بوجھ اٹھاتا ہے، اسی لیے اس کی جسمانی صلاحیتیں عورتوں سے زیادہ دی گئی ہیں، اس کے باوجود قرآن میں مردوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ۔۲۳) — عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد، عورتوں کے لیے ستر پوش ہیں اور عورتیں مرد کی ستر پوش ہیں، مرد عورتوں کے لیے زینت ہیں اور عورتیں مردوں کے لیے زینت ہیں، مرد عورتوں کی خوبصورتی ہیں اور عورتیں مردوں کی خوبصورتی ہیں یہی زندگی کے اغراض ہیں اور ان ہی اغراض کو پورا کرنا حقوق زوجین کو ادا کرنا ہے، پھر ہر قسم کی قرابتوں اور رشتہ داریوں کی جڑ بھی نکاح ہے، یہ نہ ہو تو دنیا کا کوئی رشتہ ہی نہ پیدا ہو، اس نقطۂ خیال سے بھی دنیا میں نکاح کی اہمیت بہت بڑی ہے، پھر نکاح کی اخلاقی غرض یہ بھی ہے کہ مرد و عورت میں صلاح و عفت پیدا ہو، نکاح کے ان اغراض کو پورا کرنے میں اسلام نے زن و شو میں صلح

دیگ جہتی پر بڑا زور دیا ہے زوجین میں مناقشہ پیش آنے پر اصلاح حال کی بار بار تاکید کی گئی ہے، قرآن پاک میں مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک، پرہیزگاری کا برتاؤ یعنی تقویٰ اور صلح جوئی کے طریقے اختیار کرنے کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔ بیوی کے فرائض یہ بتائے گئے ہیں کہ وہ اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو، اس کے مال، دولت اور ملکیت کی پوری نگرانی کرے، اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اس کی غیر حاضری میں بھی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، شوہر جو کہے وہ مانے، شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور اگر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کو اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔ مال سے مراد خود بیوی کی عفت اور عصمت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کے فرائض یہ بتائے کہ جو خود کھائے وہ اپنی بیوی کو کھلائے، جو خود پہنے اس کو پہنائے، اس کے منھ پر تھپڑ نہ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، یہ تعبیر آپ نے شوہر کی اطاعت کی اہمیت کے لیے اختیار فرمائی، مگر اسی کے ساتھ اسلام نے عورت کی قدر و منزلت کو یہاں تک بڑھایا ہے کہ اس کو قانوناً مرد کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ اور اس کے قانونی حقوق میں ان کو برابر کا درجہ دیا، البتہ اخلاقاً رتبہ میں مردوں کو تھوڑی سی امتیازی برتری

دی گئی ہے، اس لیے کہ وہ جسم طاقت، عقل، فراست میں فوقیت رکھتا ہے،
اسلام نے انسانی زندگی کی دوسری مشغولیتوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے،
خانگی اور بیرونی، خانگی مشغولیتوں کی ذمہ داری بیوی پر رکھی ہے، اور بیرونی
مشغولیتوں کا بارِ گراں شوہر کے کندھوں پر رکھا ہے، اس طرح انسانی زندگی
کے اندرونی اور بیرونی کاموں کی عظیم الشان عمارت کو ایک دوسرے کے
تعاون، موالات اور یکجہتی کے ستونوں پر قائم کیا ہے، روزی کمانا اور سرمایہ بہم
پہونچانا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا فرض قرار دیا ہے اور مرد پر یہ واجب کیا
کہ وہ عورت کے نان نفقہ اور ضروریات کا کفیل ہو، اگر وہ ادا نہ کرے تو
حکومت وقت کے ذریعہ اس کو وصولی کا حق ہے اور اگر اس پر بھی شوہر
نہ دے تو بیوی کو اس سے علیحدگی کا دعویٰ کرنے کا اختیار حاصل ہے،
انتہا یہ ہے کہ خاص خاص حالات میں بیوی چاہے تو شوہر سے اس کے بچہ کو
دودھ پلانے کا معاوضہ بھی لے سکتی ہے، جس کی تفصیلات قرآن میں مذکور ہیں،
اگر کوئی مرد بخالت سے اپنی بیوی اور اولاد کی جائز ضرورتوں کے لیے اپنی
حیثیت سے کم دے تو عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر کی لاعلمی میں اس کی دولت
سے اس کی حیثیت کے مطابق بقدر ضرورت لے لیا کرے، پھر حدیث میں یہ
بھی ہے کہ شوہر، بیوی بچوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، اسی
طرح بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے، اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی،

ہاں اگر بیوی نافرمان ہو، بدزبان ہو اور مشتبہ چال چلن کی ہو یا کھلی
بے حیائی کرتی ہو تو اس پر سختی کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مگر اس طرح

نہیں کہ اس کے کسی عضو کو نقصان پہونچے (سیرۃ النبیؐ جلد ششم ص ۲۴۷، ۲۴۸)

ماں کا رتبہ | سیرۃ النبیؐ کی جلد ششم ہی میں سید صاحبؒ نے ماں کا مرتبہ بھی بہت ہی واضح اور دلنشین انداز میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں متعین کیا ہے، ان کے خیال میں ماں باپ دونوں واجب الاحترام ہیں، لیکن دونوں کے مقابلہ میں ماں کا درجہ نسبتاً بڑا ہے، اس کی تصریح سورہ لقمان اور سورہ احقاف کی آیتوں کی روشنی میں یہ کی ہے کہ عورت کی فطری کمزوری، بے چارگی، حمل، وضع حمل، تربیت اولاد کی تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنا، ماں کی بڑائی، اس کی سب سے پہلے دلدہی کرنے اور اس کی فرماں برداری کرنے کی سب سے بڑی دلیل ہے، ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دریافت کیا کہ "یا رسول اللہؐ سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے" فرمایا "تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا، تیری ماں، اس نے پھر پوچھا، پھر کون؟ فرمایا، تیری ماں، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا، تیرا باپ، ایک روز آپؐ نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سرفہرست ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا کہ تمہارے خدا نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کردی ہے، ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، میرے لیے کوئی توبہ ہے؟ فرمایا کہ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا نہیں، دریافت کیا کہ کیا خالہ ہے؟ گذارش کی کہ ہے، فرمایا اس کے ساتھ نیکی کر، یہی اس کی توبہ بتائی، ایک اور صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے جہاد میں شرکت کا ارادہ کیا ہے اور آپ سے مشورہ چاہتا ہوں، فرمایا، کیا تمہاری ماں ہے، جواب اثبات میں

دیا، فرمایا تو اسی سے چمٹا رہ کہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے، اسلام میں جہاد کی بہت اہمیت ہے، مگر آپ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ ماں کی خدمت گذاری اس سے بھی بڑھ کر ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے اپنی تعلیم میں مخلوقات انسانی میں جنس لطیف ہی کی ایک صنف کو کتنی بڑی برتری عطا کی ہے (سیرۃ النبیؐ جلد ششم ص ۲۱۲-۲۱۴)

جون ۱۹۲۶ء میں سید صاحبؒ نے ریاست بھوپال میں امیر جامعہ اور قاضی القضاۃ دونوں عہدوں کو قبول کر کے وہاں تشریف لے گئے تو وہ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے خوش تھے کہ وہ مسلمان عورتوں کے حقوق کے ضامن اور نگہبان بن کر ان کے نکاح و طلاق سے متعلق وہی فیصلے صادر کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے مناسب اور واجب ہیں، ان کے سامنے وہ ضابطے اور قوانین رہے جو نواب صاحب بھوپال نے علماء کے ذریعہ سے ۱۹۳۲ء میں مرتب کرائے تھے، ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، مگر سید صاحبؒ کو دکھ تھا کہ ایسے ضابطے اور قوانین برطانوی حکومت کے صوبوں میں مروج نہیں، اس لیے ۱۹۲۶ء میں انھوں نے جو رپورٹ یو۔ پی کی حکومت میں پیش کی تھی وہ مئی ۱۹۴۳ء کے معارف میں پھر اس امید میں شائع کرائی کہ اس کی تجویزوں پر غور کیا جائے گا، مگر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم ہوئی، تو یہاں کے طرز فکر کے لیل و

ونہار ہی بدل گئے، سید صاحبؒ اب وہاں ہیں جہاں ایک روز سب کو جانا ہے، مگر انھوں نے اپنے مضامین میں عورتوں کے حقوق، خصوصاً ان کے نکاح و طلاق کے مسائل کو جس طرح حل کرنے کی کوشش کی اور جو تجویزیں پیش کیں، وہ آج بھی مسلمانوں کے لیے لائق غور و فکر ہیں، اگر حکومت ان کو بروئے کار لانے میں ان کی مدد نہیں کرسکتی تو وہ خود ہر جگہ دارالقضا قائم کرکے اپنے قاضیوں کے ذریعہ سے ایسے مسائل کی مشکلات کو دور کرسکتے ہیں، ورنہ اگر حکومت کے دباؤ سے مشترکہ سول کوڈ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے، تو ان کے ملی وجود کو جو نقصان پہونچے گا، اس کا اندازہ آیندہ کی تاریخ ہی کرسکے گی،

سید صاحبؒ کے مذکورۂ بالا تمام خیالات کے ساتھ زیر نظر رسالہ "مسلمان خواتین کی بہادری" کا مطالعہ کیا جائے گا تو ناظرین خود مسلمان عورتوں کے بلند مراتب اور مدارج متعین کرلیں گے جہاں تک مسلمان عورتوں کی بہادری کے واقعات کا تعلق ہے اس رسالہ میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے اس میں مزید اضافہ کرنا شاید مشکل ہے، راقم نے جب اس رسالہ

کا انگریزی ترجمہ ختم کیا تھا تو علی گڈھ میں اپنے استاذ محترم جناب غلام السیدین کو اس کی انگریزی پر نظر ڈالنے کی استدعا کی، اس کو دیکھنے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ اس میں کربلا کی خواتین کا ذکر نہیں ہے، میں نے ان کو تو کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اعظم گڈھ آکر حضرت سید صاحبؒ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے ہنس کر فرمایا کہ ان کو لکھ کر ان خواتین کی بہادری کے واقعات لکھ بھیجیں تو ان کو شامل کر دیا جائے گا، میں ان کو یہ بات تو نہیں لکھ سکا، لیکن اس وقت سے تا دم تحریر اس کی کوشش کی کہ کربلا کے کچھ ایسے واقعات مل جائیں تو اس رسالہ میں بڑھا دیے جائیں، مگر کربلا کی خواتین کی المناکی، مستقل مزاجی، صبر، استقلال اور قوت برداشت کا ذکر تو ملا، لیکن میدانِ جنگ میں ان کی بہادری کی تفصیل نہیں ملی،

اپنے استاذ محترم کے ایک رسالہ پر اتنی طویل تحریر لکھنا سوء ادب بلکہ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قربِ قیامت کی دلیل ہے، مگر اس طویل دیباچہ میں حضرت سید صاحبؒ ہی کی تحریریں جمع

کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کو دیباچہ نہ سمجھا جائے، بلکہ حضرت سید صاحبؒ کی تحریروں کی ترتیب از سر نو قرار دی جائے، پھر میری یہ گستاخی قابل معافی سمجھی جائے گی۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دار المصنفین، اعظم گڈھ

۱۰ر جون ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان عورتوں کی بہادری

یورپ کے **گولڈن ڈیڈس** میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے، جس نے موقع جنگ پر **نپولین** کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا، ۱۸۰۸ء میں جب نپولین بوناپارٹ پرتگال کی مہم سر کر چکا، تو اپنے بھائی جوزف کو یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دار السلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا، تمام ملک میں وطن اور قوم کی جے پکاری جانے لگی، اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا، اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لیے جان فروشی کی،

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی، انھوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت لی، کونٹسٹ **بیوریٹا** نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی، جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی، کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھا لائیں، اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں، اسی جنگی تاریخ کا ایک پُرفخر واقعہ یہ ہے کہ **اگسٹینا زرالوزا** ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لیے جاتی تھی، کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین اس کو نظر آیا۔ عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی، اور وہ گر گیا،

دوسرے سپاہی کھڑے ہیں، اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہوکر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں اِن زوروں سے برس رہی تھیں، کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگ رہے تھے، بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی، اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلائی لگا دی، اور اخیر معرکہ تک اس کا دست ہمت شل نہ ہوا، اور وہ برابر کام کرتی رہی،

اختتام جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی، ملک و قوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی، سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا، یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلۂ واقعات میں اسکا ذکر کیا،

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۹ء میں آرلینس کا محاصرہ کیا، پیٹے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی، اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا، ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرۃ قوت بزور سحر ہے، جلا دی گئی، جان کے کارناموں کی انتہائے شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے، اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اسکے ولیہ ہونے کو تسلیم کر لیا ہے،

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان اُن سے آشنا نہیں ہیں، اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں، اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی، ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں، اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں، اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے

جوش پیدا کریں، غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار رکھ لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں یا زخمیوں کی حفاظت کریں،
عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی آثارنا بیض حسان نحاذر ان تقسم او تهونا
ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں، ہمکو برابر ڈر رہتا ہے کہ انکی اہانت نہ ہو

اخذن علی بعولتهن عهدا اذا لاقوا کتائب معلمینا
اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں، ان عورتوں نے میدان قتال میں جانبازی کا اپنے شوہروں سے

کی یسلبن افراسا وبیضا واسری فی الحبال مقرنینا
عہد لے لیا ہے، وہ ہمارے ساتھ اسلیے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں، اور

ظعائن من بنی جشم بن بکر خلطن بمیسم حسبا ودینا
دشمنوں کو گرفتار کریں، یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں، جنھیں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور

یقتن جیادنا ویقلن لستم بعولتنا اذا لم تمنعونا
مذہب بھی ہے جو ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور انکا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں،

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا، جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں، بخاری میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المومنین حضرت عائشہ رض اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں، ان کے ساتھ ام سلیم رض اور ام سلیط رض داور صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں،

محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ تھی، جب معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب و نفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی،

ان عورتوں نے عرض کی، کہ یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں، ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گے، بدن سے تیر نکالیں گے، کھانے کا انتظام کریں گے، آپ نے فرمایا خیر ٹھہرو، جب خیبر فتح ہوا، تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے حصہ دیا، [۱]

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لیے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں، [۲]

ربیع بنت معوذؓ اور دوسری عورتوں نے شہدا اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی، [۳] ام رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا، جسمیں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، [۴]

ام زیاد اشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں، اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں، [۵] حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کے لیے کھانا پکایا تھا، [۶]

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے، کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈالدیا، اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لیے متعین تھے، وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے، اور جو شہدا ہوتے، ان کو دفن کر دیتے، اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلہ میں لڑی گئی تھیں، عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے، [۷]

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھی، اس طرح بیان کرتی ہے، کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزمگاہ کی طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا، اسکو اٹھا لیا، [۸]

---

[۱] ابوداؤد فتح خیبر [۲] ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۵۱ [۳] بخاری کتاب الطب، [۴] ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۷، [۵] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ مصر [۶] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۶ ص ۲۳۱۷ [۷] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۶۳، [۸] طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۳۶۳،

مذکورۂ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھیں،

(۱) زخمیوں کو پانی پلانا،

(۲) فوج کے کھانے کا انتظام،

(۳) قبر کھودنا،

(۴) مجروح سپاہیوں کو معرکۂ جنگ سے اٹھا لانا،

(۵) زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا،

(۶) ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا، اور ان کی امداد کرنا،

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کرکے تم اپنے سامنے رکھو، عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے، مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا،

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ام سلیمؓ عموماً غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھیں[۱]، حضرت طلیب بن عمیرؓ جب اسلام لائے، اور اپنی ماں اروی بنت عبد المطلبؓ کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی، تو میں آپ کی حفاظت کرتی، اور آپ کی طرف سے لڑتی[۲]،

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ یہودیوں سے لڑ رہے تھے،

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱ [۲] استیعاب تذکرۂ حضرت طلیب بن عمیرؓ،

کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گیے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے، بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی، جو عورتوں کی حفاظت کرسکے، اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا، خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنو قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں، تو میدان خالی پاکر وہ عورتوں پر حملہ کردیں گے، حضرت صفیہ رض نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت زبیر رض کی والدہ تھیں، حضرت حسان رض بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کردو، حضرت حسان رض نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہ رض خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں، اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا، مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی [1]

ام عمارہ رض ایک مشہور صحابیہ تھیں، قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی، ام عمارہ رض بھی شریک تھیں، اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں، ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا، اور مکہ میں داخل ہونے کیلئے قریش سے آپ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمان رض مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گیے، تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمان رض کو قتل کر ڈالا، اس وقت تمام صحابہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی، جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہ رض اس بیعت رضوان میں بھی شریک تھیں، مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں، بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ رض

اکھڑ گئے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے، اور جان نثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے، یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں، اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے، اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں، (اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۵)

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا، اور مقام یمامہ میں ایک خون ریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہؓ بھی شریک تھیں، اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا، دشمنوں سے لڑتی رہیں، اس دن ام عمارہؓ کو ۱۲ بارہ زخم لگے تھے، [1]

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے مشرق کی ان ۲ دو پر زور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے نام سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا جنگ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پر زور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگ قادسیہ ہے، یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں، جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لیے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یابی مخدرات اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے، محرم سنہ ۱۴ ہجری میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اور مسلمان کچھ اوپر ۳۰ تیس ہزار تھے، اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں

---

[1] فتوحات اسلامیہ سید دحلان ص ۴۲۸،

کو میدان جنگ سے اٹھالائے، اوران کی تیمارداری کی،

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا، جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی،

انکم اسلمتم فلم تبدلوا وھاجرتم	پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر پھرے
فلم تثوبوا ولم تنب بکم	نہیں، تم نے ہجرت کی، تو تم کو کسی نے
البلاد ولم تقحمکم السنۃ	ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق
ثم جئتم بامکم عجوز کبیرۃ	تھا، نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی
فوضعتموھا بین ایدی اھل فارس	ماں کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے
واللہ انکم بنو رجل واحد کما انکم	ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی
بنو امرأۃ واحدۃ ما خنت ابا کم	اولاد ہو جس طرح تم ایک ماں کی اولاد
ولا فضحت خالکم انطلقوا	ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی،
فاشھدوا اول القتال واخرہ[1]	اور میں نے تمہارے ماموں کی فضیحت
	کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو،

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے جب نظروں سے غائب ہوگئے، تو اس بوڑھی عورت نے دعا کو ہاتھ اٹھایا، کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا، اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح وسالم اپنی ماں کے پاس آئے، اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈالدیا،

جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ **خنساء** بھی شریک تھی، خنساء کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر کے

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۷،

غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا[1]

یا بنی انکم اسلمتم وهاجرتم	پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان
مختارین والله الذی لا اله غیره	ہوئے، اور تم نے ہجرت کی، وحدہٗ لاشریک
انکم بنو رجل واحد کما انکم بنو امرأة	کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے
واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت	ہو، ایک باپ کے بھی بیٹے ہو، میں نے تمہارے
خالکم ولا هجنت حسبکم ولا	باپ سے بددیانتی نہیں کی، اور نہ تمہارے ماموں کو
غیرت نسبکم وقد تعلمون ما	ذلیل کیا، اور نہ تمہارے حسب و نسب میں
اعد الله للمسلمین من الثواب	داغ لگایا، جو ثواب عظیم خدا نے کافروں
الجزیل فی حرب الکافرین	سے لڑنے میں مسلمانوں کیلئے رکھا ہے
واعلموا ان الدار الباقیة خیر	تم اسکو خود جانتے ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت
من الدار الفانیة یقول الله	جو ہمیشہ رہنے والی ہے، اس دار فانی سے
عز وجل یا ایها الذین امنوا	بہتر ہے، خدائے پاک فرماتا ہے، "مسلمانو!
اصبروا وصابروا ورابطوا	صبر کرو اور استقلال سے کام لو، خدا سے
واتقوا الله لعلکم تفلحون، فاذا	ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو" کل جب خیریت سے

[1] یہ دونوں واقعے موقع جنگ تعداد اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن بعض اختلافات بھی ایسے ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے، پہلی عورت قبیلہ نخع کی ہے، خنساء قبیلہ سلیم کی ہے، پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے، دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے لبریز ہے، جو خنساء کے شایان شان ہے، طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لیکر صحیح و سالم واپس آگئے، ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اسکے بیٹے شہید ہوئے، اور انکی تنخواہ حضرت عمرؓ ان کی ماں کو دیا کرتے تھے، واللہ اعلم،

اصبحتم غدا ان شاء اللہ سالمین فاغدوا الیٰ قتال عدوکم مستبصرین وباللہ علیٰ اعدائہ مستنصرین واذا رایتم الحرب قد شمرت عن ساقھا واضطرمت لظیٰ علیٰ سیاقھا، وحللت نارا علیٰ رواقھا فتیمموا وطیسھا وجالدوا رئیسھا عند احتدام خمیسھا تظفروا بالغنم والکرامۃ فی دار الخلد والمقامۃ، (اسد الغابہ ابن اثیر جزری جلد ۵ ص ۴۴۲)

تم انشاء اللہ صبح کرو، تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے، اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو تم خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے، تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا، خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ،

صبح کو جنگ چھڑتے ہی خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے، اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوئے، خنساء کو جب یہ خبر پہنچی، تو اس نے کہا، اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا، حضرت عمرؓ آٹھ سو دینار خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے دیا کرتے تھے،

واقعۂ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا، جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے، جنگ بویب میں جس کو قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے، مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آگیا، مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا، اس لیے مثنیٰ نے جو فوج کا سپہ سالار تھا، یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے

پاس بھیجدیا، یہ رسالہ گھوڑے اڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا، عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحے کہاں سے آتے، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا، اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیں لے کر حملہ کے لیے کھڑی ہوگئیں، عمر بن عبدالمسیح جو اس رسالہ کا افسر تھا، پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے، یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنائی، اور چیزیں ان کے سپرد کیں،[۵]

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی، دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے، میدانِ جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اردہ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں، عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کرتے تو نہایت مناسب ہوتا، یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا، اور عورتوں نے بھی اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں، دونوں طرف کے بہادر دل توڑ کر حملے کر رہے تھے، کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں، یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازو بےست پڑ گئے، اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل پھٹ گیا،[۶]

عہد صدیقی میں اول اول ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکرکشی کی، چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے، مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے، کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار ۹۰ رومی بڑے سروسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کی جو عراق کو پامال کر کے

---

[۵] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۱۹، [۶] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۴۔

دمشق میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے، اپنی اپنی فوجیں لیے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالدؓ فوج کے آگے آگے جا رہے تھے، اور حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لیے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں، ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا، قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا، قیصر روم نے دمشق کے لیے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں، اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہونچیں، اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کا آگا روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہونی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے، لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا، اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا "بہنو! کیا تم یہ غیرت گوارا کر سکتی ہو کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آجاؤ، کیا تم عرب کی شجاعت وحمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو، میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے، ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی، خیموں کی چوبیں لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں، سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں، اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار، ام ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں، کچھ دیر کے لیے تو حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، اور اتنی دیر میں

عورتوں نے تیس [۳۰] لاشیں گرادیں، اور آخر کو پھر انھوں نے بھی حملہ کردیا، دمشقیوں کے قدم اکھڑنے اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہوکر آگئے، دمشقی فوج میں جو رمق جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی، باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہوگئی، اور اسلامی فوج کی عنانِ عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی،

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کرکے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری وبہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیرزنی، نیزہ بازی، تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں، یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامنِ عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں،

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کالی چالیس [۴۰] ہزار تھے، مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے، رومیوں کی جمعیت دو [۲] لاکھ سے زائد تھی، اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا، یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا، ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس [۲۰] ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں،

دو [۲] لاکھ کا ٹڈی دل اس زور وشور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آگیا، لخم وجذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے، اور اب مسلمان ہوگئے تھے، میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے، رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا، تو یہ مرعوب ہوکر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے، عورتوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی، فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں،

اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا، دفعتًہ تھم کر پیچھے گیا، اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا، فوج کی پشت پر آکر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں، عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پانوں پھر سنبھل گیے، قریش کی عورتیں تلواریں گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں[۱]، حضرت معاویہ رضؓ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں، اور نہایت دلیری سے لڑکر زخمی ہوئیں[۲]، حضرت معاویہ رضؓ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں[۳]،

یا معشر العرب عضد وا الغلفان بسیوفکم — عربو! نامرد بن جاؤ نامرد،

ضرار بن ازور کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں،

یا ھاربًا عن نسوۃ تقیات — رمیت بالسھم المنیات

اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو تم موت اور تیر کے نشانہ بنو،

مورخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث رضؓ کا نام خصوصیت سے لیا ہے، ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا[۴]، جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں، ابن عمر واقدی اُن میں سے بعض کے یہ نام بتاتا ہے، اسماء بنت ابو بکر صدیق رضؓ، عبادہ بن صامت رضؓ کی بیوی، خولہ بنت ثعلبہ، کعوب بنت مالک سلمیٰ بنت ہاشم، نعم بنت قیاس، عفیرہ بنت عفارہ،

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی، ایک دفعہ اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا، خالد بن سعید نے جنہوں نے حال ہی میں ام حکیم

---

۱ طبری ج ۴ ص ۲۳۴۷، ۲ طبری ج ۵ ص ۳۲۱۶، ۳ بلاذری ص ۱۴۱، ۴ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸

بنت حارث سے نکاح کیا تھا، یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی، ایک پل کے قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا، جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوتے تھے کہ رومی پہنچ گیے، مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں، اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کو پسپا ہوجانا پڑا، ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے سات آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے،[1]

جنگ جمل میں گو حضرت عائشہؓ کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا، ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں، لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ضرور ہوتا ہے،

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کرلی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ، خولہ، لبنیٰ، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دیتے ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتے،

عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا، ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی، عتبہ جب اہل مدینۃ الفرات سے سرگرم مقابلہ تھا، تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی، اور جوش دلاتی تھی،[2]

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، تو ما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے، تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحہ لگا کر قصاص لینے کو نکلیں، اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں، اہل دمشق گو محصور تھے، لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے، سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لیے ہوئے

---

[1] اسد الغابہ ص۵۷۷، [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴۲، مطبوعہ یورپ،

ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا، ام ابان کو تیراندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی، مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھا لی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی، تو ما غصہ سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے، رومیوں نے صلیب کی واپسی کیلئے لاکھ لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی جس نے ادھر کا رخ کیا، ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا، توما جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا، ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا دیکھ کر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا، اس وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں،

امابان فاطلبی ثیارک — صولی علیہم صولۃ المتدارک — قد فجع جمع القوم من بالک

ام ابان تو اپنا انتقام لے — اور ان پر پے در پے حملے کیے جا — رومی تیرے تیروں سے چیخ اٹھے

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التعویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب و غریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی، اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں، ہند، خولہ، ام حکیم، اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ حملے کیے، اسماء بنت ابی بکرؓ گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں، [1]

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی تھیں، پرزور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقاء، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں وہ تقریریں کی ہیں، کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی ہے [2]

[1] اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر واقدی کی طرف منسوب ہے، مگر چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں انکا مطلق ذکر نہیں ہے، اس لیے ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں، [2] عقد الفرید ج ۱ از ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۳

سنہ ۹۰ ہجری میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی، قتیبہ اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل تھا، اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں، بخارا کے ترک بھی بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، قبیلہ ازد نے کہا پہلے تنہا ہم کو زور آزمائی کرنے دو، قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور نہایت بہادری سے حملے کیے، لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا، ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیئے، کہ ازدی ہٹتے ہٹتے قیام گاہ تک آگئے، ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے، وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے، اور ایک عام شور برپا کر دیا، مسلمانوں کی ہمت بندھی، اور سنبھل گئے، اور پلٹ کر اس زور وشور سے حملے کیے، کہ ترک پھر نہ جم سکے، گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں، لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی، اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں، تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے، [1]

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت سے نہایت شہرت رکھتا ہے، جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں، بلکہ بارہا حکومتوں اور جابر شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں علم کی ہیں، گو طلب مساوات، آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی، لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا، اور اب تک ہے، سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے،

---

[1] کامل ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۲،

۷۶ ہجری میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا، اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا، غزالہ شبیب کی بیوی اور جہیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں، حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے، مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر نہ آیا، آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں، اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا،

شبیب موصل سے کوفہ چلا، لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر قصر الامارۃ میں اتر چکا تھا، غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی، حالانکہ سارا شہر دشمن تھا، اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں، شبیب تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی، اور پھر معمولی نماز نہیں، پہلی رکعت میں سورۂ بقر پڑھی، اور دوسری رکعت میں آل عمران، جن سے بڑی کوئی سورہ قرآن مجید میں نہیں ہے، دو دو اور ڈھائی ڈھائی پاروں میں تمام ہوئی ہیں، غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے فرودگاہ کو چلی گئی، اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی، جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا، شبیب کی جمعیت گو اس کے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی، لیکن بہادری سے لڑی، حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلا رہا تھا، اس کی فوج برابر بڑھتی گئی، یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا، غزالہ اور جہیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں، کہ حجاج نے چپکے چند آدمی بھیجے، جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر گرا دیا، شبیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر اہواز کی طرف چلا گیا:

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جہیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی، لیکن ابن اثیر اور طبری نے

لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریائے دجلہ میں گر پڑا، اور شبیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا، تو کسی نے اس کی ماں سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا، اس کی ماں نے کہا شبیب اور مارا جائے، یہ ہو نہیں سکتا، آخر جب دوسرے دن کہا گیا کہ نہیں شبیب ڈوب کر مر گیا، تو اس نے کہا یہ ممکن ہے، اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی،

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا، اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا، ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے[1]،

اسد علیّ وفی الحروب نعامة　　　فتخاء تصفر من صفیر الصافر

حجاج مجھ پر تو شیر ہے لیکن معرکوں میں بزدل اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے،

هلا برزت الى غزالة فی الوغى　　　بل كان قلبك فی جناح الطائر

حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ میں کیوں نہ نکلا، اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو پھڑک رہا تھا،

سنہ ۱۳۹ ہجری میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا، منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں، اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں، انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائیگی، تو ہم جہاد کریں گے، چنانچہ ایفائے نذر کے لیے وہ بھی اس جہاد میں

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۳ تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے،

شریک مقتیں[۱]

۱۷۸ھ ہجری میں ہارون رشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی، اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے، اور گھوڑے پہ سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری، لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے،

فیا شجر الخابور مالک مورقا ... کانک لم تجزع علی ابن طریف

اے خابور (نام مقام) کے درخت تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے،

فتی لا یحب الزاد الا من التقی ... ولا المال الا من قنا وسیوف

ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقوی اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا؛

فقدناک فقدان الشباب و لیتنا ... فدیناک من فتیاننا بالوف

اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے، جس طرح جوانی کو کوئی کھو دے، کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے،

علیہ سلام اللہ وقفا فانی ... اری الموت وقاعا بکل شریف

ولید پر خدا کی رحمت ہو، موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے،

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۷،

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پر درد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی خنساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے، کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں،

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے، ابن خلدون نے اس واقعہ کا تو ذکر کیا ہے، لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے، نام کچھ بھی ہو،

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا، بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدانِ جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لیے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں، اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا ہے، تو اس کی ماں اور بہن بھی اس کے ساتھ تھیں، دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اسکو مدد دیتی تھیں، [1]

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے ہوتے پڑے تھے، جب وہ تھک گیے، اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی تو انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہیے، کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے، دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی

[1] یہ واقعہ احمد بک آجائف روسی کی کتاب حقوق المرأۃ والاسلام سے لیا گیا ہے،

بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔[۱]

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے،

شاہ التمش کی بیٹی رضیہ سلطان جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی، مگر سب سے بہتر کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے کہ "رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی" شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے، تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے توبرتو وار کیے، کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا،

تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیانِ دولت تک کانپتے تھے، بعض امرا[۲] نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گیے، اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لیے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا، اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا، کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی، ۶۳۷ھ میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا، تو خود فوج لے کر گئی، اس کے

---

[۱] الفتح القسی فی الفتح القدسی، [۲] نظام الملک، ملک سیف الدین، ملک علاء الدین وغیرہ

بعد بٹھنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازشی سے راستہ میں گرفتار ہوگئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دیکر، دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لیے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی[1]

اس سلسلہ میں سلطان علاء الدین کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے، شاہان ہند کے مرقع میں علاء الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزمی، بلندی خیال، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکی تھیں، تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا، اس نے ایک دن برسبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے، قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا، اس نے نہایت بدماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا، کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا، سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ راجہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے، کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لیے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی، راجہ مقابلہ نہ کر سکا، اور قلعہ بند ہوگیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور

---

[1] تاریخ اکبری قلمی از ملا نظام الدین ہروی ذکر سلطنت رضیہ،

کرلیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا، کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی،

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچکر جالور فتح کر لیا،[1]

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا، امیر تیمور کیا تھا ترکستان کے حدود سے ایک آندھی اٹھی تھی، جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی، دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سوا سو برس کے بعد حاصل ہوا، لیکن در اصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے سے مزین ہے،

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستاں لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھستی تھیں، بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا[2]

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا تم یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۸، [2] عجائب المقدور ابن عرب شاہ ص ۲۲۳،

شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کردو، بابر نامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیری دیکھو، ہر جگہ نظر آئے گا کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں، تزک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں، ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا،

نورجہاں، تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی، لیکن بہو تھی، اکثر نورجہاں ہاتھی پر سوار ہوکر سیر و شکار کو جنگل جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر، تزک جہانگیری میں نورجہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے

"ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا، ایک ہاتھی پر رستم خاں اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نورجہاں تھی، سامنے جھاڑی میں شیر تھا۔ ہاتھی شیر کی بو پاکر کانپنے لگتا ہے، اس اضطراب جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا، اور پھر عماری میں بیٹھ کر نہایت مشکل ہے، قدر اندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں، لیکن نورجہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا، [1]

ایک مرتبہ نورجہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر نکلے، لیکن نورجہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی، اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا، اور چند بیش قیمت زیور نورجہاں کو انعام دیئے، اس موقع

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۷۹،

پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا:

نور جہاں گرچہ بصورت زن است | در صف مرداں "زن شیر افگن" است

نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی، اس لیے "زن شیر افگن" کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خاں کی کوشش تھی، کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے بہٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے امرا، و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی، کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انھوں نے بالاتفاق کہا کہ مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو، بادشاہ کی قدم بوسی حاصل کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلا دیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی، کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی، عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابو الحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو، تم بھی جواب دو، اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری

تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے بازو میں آکر لگا، تمام کپڑے خون میں تربہ تر ہو گیے، نورجہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نورجہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے، وہ بھی کام آئے، نورجہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا، تو ممکن تھا کہ نورجہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی،[لہ]

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے، گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے،

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو یہ ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا، کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی تو سرداران فوج و امرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا،

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے، حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی، جیتی، اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام واکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود تمام ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصۂ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے ڈٹی

لہ تزک جہانگیری ص ۴۰۴، ۴۰۵،

فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا، کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدانِ جنگ میں چھوڑ گیا،

مرزا کے خاص الفاظ یہ ہیں:

"نقاب بر قامت رعنا افگندہ بر اسپ سواری شد، و خنجر و شمشیر مرصع بکمر می بست، بعد از آنکہ تلاقی صفین و محاذات فئتین اتفاق افتاد و از علو ہمت و علو جرأت دلیرانہ بالشکر عادل خوانی مصاف دادہ سپاہ و سرداران را بقتل و حرب و ضرب ترغیب و تحریص نمودہ قدم مردانگی را در آں بحر دغا و لجۂ ہیجا چون کوہ استوار برجا داشت و آں غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمیع فیلان و توپخانہ را بدست آوردہ سالماً دغانماً مراجعت بر افراخت۔"

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے:

پونجی خاتون

عادل شاہی خاندان جس کے دائرۂ حکومت کا مرکز شہر بیجاپور تھا، اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی، اس کا نابالغ فرزند اسمٰعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسمٰعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مٹا دیا جائے،

پونجی خاتون کمال خاں کے اس ارادہ سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ تمام اعیانِ دربار و سردارانِ فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونجی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے، یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک

کو جو اسماعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا، کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کردیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آزردہ بھی وہیں ڈھیر کر دیا گیا،

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا، اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھکر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا خبردار کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ کہ کمال خاں کہتا ہے، کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے،

پونجی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل، اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے، پونجی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفران نعمت کی سزا مل چکی۔ ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ دیتا، تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقلمندی کی، کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونچی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے اپنے کو قلعہ بند کر لیا، اور انہی دو تین[۲][۳] سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونچی خاتون، دلشاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن، اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونچی خاتون، دلشاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان توپچیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھر اکہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونچی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آ گئیں، تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے، تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے، اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی سب ادھر ادھر چھپ گئے، اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم کی جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا، عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی، اور کھڑی دیکھا کیں، صفدر خاں چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے، کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا، کہ دشمن پھر نہ تھم سکے،[۱]

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے،

نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دار الحکومت شہر احمد نگر تھا، اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۶ و ۱۷،

استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا، وہ قابل حیرت امر ہے، **چاند خاتون** نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ، اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا، اور علی عادل شاہ (بیجاپور) اس کا شوہر تھا، علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجاپور سے احمد نگر چلی آئی تھی، اور یہیں رہتی تھی،

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی، تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی، شہزادہ مراد اور **خانخاناں** اس مہم پر بھیجے گئے، اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کش کر دیا، لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا، اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لیے ہوئے پڑے تھے، اسی اثناء میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا، منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص حبشی تینوں میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا ہوا، ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنا لیا، آخر آپس کا نفاق بڑھا، اور خونریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا، کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے، آپ ادھر کا رخ کیجئے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالہ کر دوں گا، مراد چل کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہرخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگا، راجہ رام چندر، اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گیے، تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی، کیونکہ اس اثنا میں منجھو خاں تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا، ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا،

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے، اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہو گا میں سلطنت کو بچاؤں گی، اس نے خود پہلے اپنے بعض مخالف امراء کو قلعہ سے

علیحدہ کر دیا، اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملا لیا قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں، اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہیں، شاہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ ہجری کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی چاند خاتون نے بھی حکم دیا، کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں، تمام دن مراد کوشش کرتا رہا، کہ قلعہ تک پہنچ جائے، مگر چاند خاتون نے ایکدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا، شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا، دوسرے دن شاہزادہ مراد، شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، بعض نظام شاہی امرا نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا، مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا، شاہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑے رہے، مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے،

اُدھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے بھی پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کیے، منجھو خاں، اخلاص خاں، آہنگ خاں امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہو گیے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہو گئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا، تو گھبرا گیا، تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لے کر قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئیں، اور ان میں بارود بچھا دی گئی، کہ آگ لگا کر قلعہ اڑا دیا جائیگا، چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام

امرا اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور اُدھر پہنچا، چاند خاتون اس وقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جا رہی تھی کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکہ ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا، یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہو گئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی،

چاند خاتون کی ہمت دیکھو، اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ دو باقی سرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے لیکن وہ سرنگیں ہول بھی،

چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کرکے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کیے، شہزادہ مراد سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار

تین گز بلند کردی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی استقلال اور بہادری پر صداے آفریں و تحسین بلند ہوگئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب **چاند سلطان** ہوگیا،

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا، امراے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو **چاند سلطان** نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہوچکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہوسکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لیے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کرلی، اور حسب قرارداد برار کا صوبہ شاہزادہ مراد کے حوالہ کردیا[1]،

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہوسکتی ہے، سلطنت کی بنیاد کمزور، امرا میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ **اکبر اعظم** اور **خانخاناں** سے ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے،

ہم نے اپنی یہ داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آکر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشۂ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطۂ اقتدار سے نکل کر، دولت فاطمیۂ مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۱۹۹،

صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام حزار ہے، وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آل صلیح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی زیاد مبلغ پہونچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا، علی نے جوان ہوکر حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کیے، علی کی ایک چچازاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرتِ الٰہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کرکے یمن کی آیندہ قسمت کا ہیولیٰ تیار کردیا، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آگیا،

علی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کررہی تھی کہ دفعۃً دشمنوں نے چھاپا مارا، صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑکر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت

میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آپہنچا، اور اسمار آزاد تھی، جب تک زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی تھی، ۴۸۰ھ میں اس نے وفات پائی،

اسمار کے آغوشِ تربیت میں دو۲ اور بہادر خاتونانِ اسلام پل کر جوان ہوئیں، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گلو خلاصی حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا، اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی،

سیدہ اپنی ساس اسمار کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کیے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تدبیروں دونوں سے زیر کیا، دولتِ فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے ان میں اس کے لیے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کیے جاتے تھے[ل]،

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سیکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے حالات کے متعلق اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتینِ اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس کہ دوسرے ضروری کاموں کی مصروفیت

ل یمن کے یہ تمام واقعات تاریخ عمارۂ یمنی، مطبوعہ انڈیا آفس لندن میں مذکور ہیں،

مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے،

آغاز اسلام میں متعدد مسلمان خواتین نے اپنے دین وایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں، مگر کبھی جادۂ حق سے روگردانی نہیں کی، سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں،

ام لبینہؓ ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "عمر اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا" زنیرہؓ ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بیحد ستائی گئیں، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں،[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں

---

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سرو سامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علٰحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیرؓ گھبرا کر اپنی ماں، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیق کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو "میں حجاج سے صلح کر لوں" بہادر ماں نے جواب دیا فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے بہت پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے" ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں، ماں نے جواب دیا "بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی" اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق و صداقت کی قربان گاہ پر اپنے دلبند کو نثار کر دیا،

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسر راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گذر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں

ہوگی جو اس پُر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی، لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گذر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کرکے یہ بلیغ فقرہ کہا، "کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اترا نہیں[1]"

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر واستقلال کا نمونہ کہاں نظر آسکتا ہے؟

ناظرین سے رخصت ہوکے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں، جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبد اللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں، عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا، اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۸۰۰ برس حکومت کی، آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی دونوں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، اس وقت سلطان کی والدہ **عائشہ** آگے بڑھ کر کہتی ہیں کہ "فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کے لیے عورتوں کی طرح خوب[2] رو لو" اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے،

یہ گذشتہ بہادر **خواتینِ اسلام** کے کارناموں کا

---

[1] طبری [2] لین پول کی "مسلمان اندلس"

ایک دھندلا سا خاکہ تھا، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتینِ اسلام آیندہ کی تاریخِ اسلام کے لیے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟

(صنفِ نسواں سے متعلق چند اور کتابیں)

سیرتِ عائشہ رض

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض بنت حضرت ابوبکر رض کے حالاتِ زندگی، ان کے مناقب و فضائل و اخلاق، ان کے علمی کارنامے، دینی مسائل میں ان کے اجتہادات، ہم عصر صحابہ پر ان کی تنقیدات، صنفِ نسواں پر ان کے گراں قدر احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونِ خانہ زندگی اور مشاغل کا ایک دلآویز مرقع، (مؤلفہ سید سلیمان ندوی) قیمت :- ۲۲ روپیے،

سیر الصحابیات رض

ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات، اور بنو ہاشم و بنو امیہ اور تمام دوسرے قبائل مکہ اور انصارِ مدینہ کی تمام قابلِ ذکر صحابیات کی سوانح عمریاں اور ان کے مذہبی و اخلاقی اوصاف و دینی خدمات علمی اور مجتہدانہ کمالات، (مولفہ :- مولانا سعید انصاری مولف سیر انصار) قیمت :- ۱۲ روپیے،

اسوۂ صحابیات رض

صحابیات رض جن میں ازواجِ مطہرات وغیرہ بھی شامل ہیں، ان کے مذہبی و اخلاقی اوصاف، دینی خدمات، اور علمی کارناموں کا دلچسپ ترین مرقع (مولفہ مولانا عبدالسلام ندوی، صاحبِ اسوۂ صحابہ) قیمت :- ۷ روپیے،

مینیجر